دینِ الٰہی آغاز سے انجام تک

شاہد مختار

شاہد پبلشرز اینڈ بک سیلرز
چوبرجی سنٹر ملتان روڈ لاہور فون: ۷۴۱۹۹۶۳

کتاب	دین الہی
مصنف	شاھد مختار
ناشر	خالد مختار ' شاھد پبلشرز چوبرجی سنٹر
کمپوزنگ	محمد جاوید ' خالد کمپوزنگ سنٹر
فون نمبر	7419963
ٹائٹل	احسان صدیقی
مطبع	شریف پرنٹرز لاہور
قیمت	روپے

فہرست

انتساب

عقل تسلیم نہیں کرتی پہ دل مانتا ہے
وہ کوئی معجزہ ہے، وہم ہے یا جادو ہے

خالد شریف کے نام

دیباچہ

"دین الٰہی اکبر شاہی" صحرائے ادب و فن میں میری ساتویں نثری کاوش ہے۔ اپنی ابتداء ہی سے یہ دین ایک متنازعہ مسئلہ رہا ہے اور اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ اس کو ہمیشہ ہی اس کے سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے بیان کیا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا میں نے اس امر کی حتی الوسعی کوشش کی ہے کہ اس دین کو اس کے تمام تر نقائص، خصائص، سقم، کمزوریوں، لغزشوں کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کروں۔ اور اس کو اسی طرح پیش کروں کہ جس طرح درحقیقت یہ تھا۔ ہاں البتہ میں نے اسے اس زمانے کے ملکی اور سیاسی حالات سے ہم آہنگ کرنے کی جسارت ضرور کی ہے کیونکہ اس امر کو اس موضوع پر پہلے سے طبع شدہ دوسری کتابوں میں ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ کتاب کے آخر میں کوئی نتیجہ و نظریہ پیش نہیں کیا گیا بلکہ یہ بات بھی قاری کی فہم و فراست پر چھوڑ دی گئی ہے۔

اگرچہ خاکسار تاریخ پر اس سے پہلے بھی ہٹلر، الیگزینڈر دی گریٹ، قائداعظم سے فاروق احمد لغاری تک، نظریات سرسید اور ارشادات و خطبات جناح جیسی مستند کتابیں تحریر کر چکا ہے مگر بد قسمتی سے تا حال "نو عمر" ہونے کا طعنہ گلے کا طوق بنا ہوا ہے۔ اور میری حالت اس استاد کی سی ہے جو کھیل کھیل میں بچوں کو علم سکھانے کی کوشش میں ان کے ساتھ مغز کھپانے میں مشغول تھا کہ ایک بچے نے کہنی مارتے ہوئے دوسرے سے کہا "دیکھنا ہوشیار رہنا کہیں کھیل کھیل میں یہ ہمیں پڑھا نہ جائے"۔ چنانچہ اگر آپ بھی "وضع داری" کی اس معراج پر پہنچے ہوئے نہیں ہیں تو یقیناً" میرے دلائل آپ کے لیے با معنی و با مقصد ہوں گے۔

شاہد مختار

ابتدائیہ

11 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی مجلس دستور ساز سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"کیا میں آپ کو یاد دلاؤں کہ تقریباً" چار سو سال پہلے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کو پروانہ تجارت ملا تو آپ کا عظیم شہنشاہ اکبر یہاں تخت پر متمکن تھا۔ اس کے دور حکومت میں اتنی سیاسی اور مذہبی رواداری تھی کہ جو نہ اس سے پہلے اور نہ کبھی اس کے بعد دیکھی گئی میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک ایسی مثال تھی جس سے ہمارے عوام اور انتظامیہ کی کئی نسلیں متاثر ہوتی رہی ہیں۔ اکبر اعظم کی روایات پر برطانوی اور ہندوستانی باشندوں نے ہمیشہ استقامت کے ساتھ عمل نہیں کیا لیکن میں اس دنیا کی خاطر دعا کرتا ہوں کہ ہم آنے والے برسوں میں اس عظیم بادشاہ کے بتائے گئےاصولوں پر سختی سے عمل پیرا ہوں"

جوابی تقریر میں قائداعظم نے فرمایا تھا کہ:۔

"وہ خیر سگالی اور رواداری جس کا اظہار اکبراعظم نے غیر مسلموں سے کیا کوئی حال کی بات نہیں ہے۔ اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف زبانی بلکہ عملاً" یہودیوں اور عیسائیوں پر فتح پانے کے بعد ان سے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے ان کے دین اور عقیدوں کے بارے میں انتہائی رواداری، لحاظ اور احترام کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کی ساری تاریخ جہاں بھی انہوں نے حکومت کی شرافت اور انسان دوستی کے ان عظیم اصولوں سے بھری پڑی ہے جن پر ہمیں عمل پیرا ہونا چاہیے"۔

شہنشاہ اکبر جس کا نام زمانہ حال کے بڑے بڑے لیڈر بھی بڑے عزت و احترام سے لیتے ہیں نے سلطنت ہندوستان پر تقریباً" پچاس برس

تک بڑی شان و شوکت اور کرّوفر سے حکومت کی۔ بلاشبہ وہ وسط ایشیاء کا بڑا عظیم اور جرّی شہنشاہ تھا۔ اس کی سلطنت افغانستان سے لے کر گجرات، دکن تک مشرق میں بنگال سے آگے اور بھکر اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے جہاں ہندوستان میں اقتصادی، سماجی اورسیاسی اصلاحات نافذ کر کے ملک کو خوش حال بنایا وہاں وہ مذہب کو بھی حکومت سے الگ تصور نہیں کرتا تھا۔ اس کے بنائے ہوئے عبادت کدہ میں وقت کے بڑے بڑے عالم، فاضل اور جید علماء دین موجود رہتے تھے۔ اور تحقیق میدان میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اَن پڑھ ہونے کے باوجود ان علماء سے قرآن و حدیث کے حوالہ سے خدا، قانون، پارسائی اور آداب محفل جیسے معاملات پر تحقیق گفتگو کے علاوہ نکاح، طلاق، متعہ، پہلے تین خلفا کی تقرری، باغ فدک اور جنگ صفین جیسے متنازعہ مسائل پر دلائل کے ساتھ بحث کرتا تھا۔

اپنے ابتدائی 20 سالہ دور حکومت میں اکبر پاکیزہ اور بزرگ لوگوں کی بڑی عزت و تکریم کرتا اور ان کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کرتا تھا۔ اس نے ایک بزرگ ہستی عبدالنبی جن کا تعلق حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خاندان سے تھا کو صدر الصدور کے عہدہ پر فائز کیا۔ جن کے ہر فیصلہ کو تسلیم کیا جاتا تھا وہ ان کی بڑی قدر کرتا ان کے گھر خود چل کر جاتا ان کی جوتی کے تسمے کھولتا اور ان سے قرآن و حدیث کا سبق پڑھا کرتا تھا اس کے دربار میں ایک اور بزرگ ہستی عبداللہ سلطانپوری جسے اکبر کے باپ ہمایوں نے مخدوم الملک کا خطاب عطا کیا تھا بھی موجود تھی اور سلطنت کے تمام عدالتی امور ان کے سپرد تھے۔ مقدمات سلطنت میں شریعت کے مطابق فیصلے ہوتے اور ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے۔

وہ بزرگان دین کے مزارات پر باقاعدگی سے حاضری دیتا ہر سال اجمیر شریف جا کر دربار حضرت معین الدین چشتی کے مزار پر منتیں اتارتا اور

دعائیں مانگتا تھا۔ چتوڑ کے قلعہ کی فتح کے فوراً بعد اکبر 220 میل کا سفر کر کے اجمیر شریف پہنچا اور دربار شریف پر حاضری دی' منتیں اتارنے کے لئے وہ فتح پور اور آگرہ سے پیدل اجمیر شریف گیا۔ حضرت سلیم چشتی کی مسجد میں خود جھاڑو دیتا' اذان دیتا اور باجماعت نماز ادا کرتا تھا۔ احکام شرع کو ادب سے سنتا' فقراء اور مشائخ کے ساتھ کمال اعتقاد سے پیش آتا' قال اللہ اور قال الرسول میں وقت گزارتا اور عام صحبت میں بھی خدا شناسی' معرفت' شریعت اور طریقت کی باتیں کرتا تھا۔ فقراء اور اہل طریقت کے حلقے میں شامل ہوتا اور علماء فضلاء کی نہائت تعظیم کرتا تھا۔ میدان جنگ میں جب "سورن ۔نیدازید" کا نعرہ لگاتا تو ساری فوج "یا ہادی یا معین" پکار اٹھتی۔ اس نے شہزادوں' حاکموں' امیروں اور عاملوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ رعایا کے حال سے باخبر رہیں۔ بزرگان قوم سے عزت سے پیش آئیں۔ شب بیداری کریں اور صبح' شام' دوپہر اور آدھی رات کو خدا کی طرف متوجہ ہوں۔ کتب اخلاق' نصائح اور تاریخ پر نظر رکھیں۔ مسکین اور گوشہ نشین لوگوں کے ساتھ اس طرح سلوک کریں کہ وہ ضروریات زندگی سے تنگ نہ ہونے پائیں۔ اہل اللہ' نیک نیت اور صاحب دلوں کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کے طلب گار رہیں۔ ہر مذہب کے نیکو کاروں' خیر اندیشوں کو عزیز رکھیں اور اہل کمال کی قدر دانی کریں۔ شہزادہ سلیم کی پیدائش کے بعد وہ دن کے مختلف اوقات میں حضرت سلیم چشتی کی چھوٹی سی کوٹھڑی میں صوفیوں کے انداز میں بیٹھ کر "یاہو" اور "یاہادی" کا ورد کرتا اور ایک پتھر پر تاروں کی چھاؤں میں اکیلا مراقبہ میں بیٹھا عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ خدا سے دعائیں مانگتا تھا۔تزک جہانگیری میں جہانگیر اکبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہتا تھا۔

اکبر سادات کی بے انتہا قدر کرتا اور عبادت کدہ میں سادات کو

ہمیشہ فوقیت دیتا تھا' ایک موقعہ پر جب سید محمد مرک (MIRAK) نے خان زمان سے مل کر بغاوت کی تو اکبر نے محمد مرک کو سید ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا اور خان زمان کو گرفتار کر کے قتل کروا دیا اسی طرح شاہ ابوالمعالی کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کرنے کے باوجود سید زادہ ہونے کے باعث قتل نہ کروایا۔ وہ غریب اور مستحق لوگوں میں اکثر خیرات تقسیم کرتا مشائخ' علما' فقرا اور غربا میں نقد' جنس ' زمین اور جاگیریں عطا کرتا تھا۔ اس نے 77-1576ء میں محکمہ حج قائم کیا اور اجمیر شریف کے خواجگان میں سے امیر حج مقرر کیا سولہ لاکھ روپیہ اور بارہ سو لباس فاخرہ شریف مکہ کو بجھوائے۔ اکبر کا حکم تھا کہ جو شخص بھی حج پر جائیگا۔ اس کے تمام اخراجات سلطنت کے ذمہ ہونگے۔ 987ھ میں جب میر ابوتراب حج سے واپسی پر فیروز شاہ تغلق کے عہد میں آنے والا قدم مبارک لے کر دارالخلافہ پہنچا تو اکبر اعظم نے حکم دیا کہ آداب الٰہی کے ساتھ دربار آراستہ کیا جائے اور تعظیما" چار کوس دور پیادہ پیشوائی کے لئے گیا اور اس پتھر کو تبرکا" اپنے گھر میں رکھا۔ سفر نامہ ابن بطوطہ کے مطابق 757ھ میں خلیفہ وقت نے فیروز شاہ تغلق کو اجازت نامہ' سید السلاطین کے خطاب' خلعت' علم' شمشیر اور انگشتری کے ساتھ یہ قدم مبارک بھی بھیجا تھا اور یہ قدم مبارک آج بھی فتح خان کی قبر جو اجمیری دروازہ سے تھوڑی دور واقع ہے موجود ہے اور ربیع الاول میں یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔

دوسرے دور میں شہنشاہ اکبر نے اپنے لیئے خلیفۃ الزماں کا لقب اختیار کیا اور نام نہاد نیا دین "دین الٰہی" نافذ کیا۔اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ اپنے لئے زمین بوس سجدہ کا حکم دیا عبادت کدہ میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو مت' بدھ مت' عیسائیت' یہودیت' اور جین مت کے پیشواؤں کو داخلہ کی اجازت دی۔ اس نے متعہ کی شادی کو جائز قرار دیا' بسم اللہ

کی جگہ اللہ اکبر استعمال کرنے کا قانون نافذ کیا' سرکاری طور پر تمام مذاہب کی الہامی کتابوں کا ترجمہ کروایا' چالیس ابدالوں کی اسمبلی قائم کی' ریشمی کپڑے اور سونے کے زیوارات کو پہننا اور شراب پینا جائز قرار دیا' بارہ سال سے کم عمر بچے کے ختنہ کی ممانعت کی' احمد' محمد اور مصطفیٰ کے الفاظ ناموں کے ساتھ شامل نہ کرنے کا حکم دیا' جشن نو روز جلالی منعقد کروایا' شہزادہ سلیم کی شادی میں ہندوآنہ رسمیں ادا کرنے اور اپنے حرم میں ہندو عورتوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی اس کے علاوہ اس نے ایسے کئی احکامات جاری کئے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ مذہب اسلام کے منافی تھے۔

اکبر کہتا تھا کہ پرودگار رب العالمین اور قادر مطلق ہے۔ اس کا کوئی مذہب نہیں اور سب مذہب اس کے ہیں۔ بادشاہ سایۂ خدا ہوتا ہے۔ اس لیئے اس کا بھی اپنا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور اس کے نزدیک تمام مذاہب قابل احترام ہوتے ہیں۔ وہ مسلمان ہونے کے باوجودہندوؤں کی طرح ماتھے پر تلک لگاتا' زرتشیوں کی طرح آگ اور سورج کی پوجا کرتا اور سورج کے 1001 نام گنتا تھا۔ اس کے دربار میں دیئے جلانے کی رسم ادا ہوتی۔ وہ اجرام فلکی کی حرکات کے مطابق مختلف دنوں میں مختلف لباس پہنتا۔ اس نے جین مت اور بدھ مت کے بنیادی اصولوں کے مطابق شکار پر پابندی عائد کی اور وہ بدھ مت کے پیرو کاروں کی طرح سر کے بال منڈواتا۔ اس نے سکھ مذہب کے فروغ میں مدد دی' عیسائیوں کی مذہبی رسومات جس میں "Bells" شامل ہے کو متعارف کروایا اور ہندوستان میں گرجا گھر تعمیر کرنے کی اجازت دی۔

"دین الٰہی" سے متعلق مختلف مورّخوں کی مختلف آراء ہیں کوئی اسے سیاسی ضرورت قرار دیتا ہے' کوئی اسے مذہبی روا داری اور غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک بتاتا ہے' کچھ کا خیال ہے کہ اکبر اس مذہب کے ذریعہ

زمین پر خدا یا خدا کا نائب بننا چاہتا تھا۔ اس دین کے حوالہ سے اکبر اعظم سے متعلق بھی مختلف آراء موجود ہیں کوئی اسے مرتد قرار دیتا ہے کوئی اسے دہریہ اور کافر کہتا ہے اور کوئی اسے اَن پڑھ اور بھٹکا ہوا انسان بتاتا ہے۔

شہنشاہ اکبر کی رگوں میں وسط ایشیا کے دو مشہور فاتح خاندانوں کا خون تھا اس لئے پیدائشی طور پر چنگیز خان اور امیر تیمور کی صفات اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اکبر کی مذہبی روا داری کی پالیسی بھی چنگیز خان کی مذہبی پالیسی سے ہم آہنگ تھی' حالانکہ چنگیز خان مسلمان نہ تھا۔ اکبر اپنے آباؤ اجداد کی طرح مذہب کے معاملہ میں بڑے کھلے ذہن کا مالک تھا اور حقیقت کو بڑے قریب سے دیکھنے کا دلدادہ تھا۔ لہٰذا اکبر کے مذہب اور مسلک پر تحقیقی گفتگو سے قبل اس کے آباؤ اجداد کے مذاہب کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے۔

اکبر کے آباؤ اجداد کا مذہب

چنگیز خان کا تعلق منگول قبیلے سے تھا۔ منگول ان بے شمار خانہ بدوش قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا جو تقریباً" سات سو سال قبل صحرائے گوبی کے دشت و بیاباں میں آپس میں دست و گریبان' ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے اور ذہنی طور پر ایک آقا ' حاکم یا تاجدار کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ چنگیز خان نے ان تمام قبائل کو یکجا کر کے انہیں ناقابل تسخیر بنایا اور اسی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے چین جیسے عظیم ملک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اس نے مشرقی ایشیاء کے تمام اسلامی ممالک کو تاخت و تاراج کر کے آرمینیا سے کوریا تک اور تبت سے روس تک ایک عظیم سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ چنگیز خان کو ایک جانب اگر انسانیت کا قاتل اور قہرالہٰی جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے تو دوسری طرف اسے بلاشبہ دنیا کا عظیم ترین فاتح بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

منگول جادوگروں اور نجومیوں کو پجاری مانتے' پتلیوں' دیوتاؤں' آگ' پانی اور ماورائی قوتوں سے مرادیں مانگتے۔ منتروں اور جادو ٹونوں سے نیلے جادوانی آسمان سے باتیں کرتے اور اس کے لئے قیدیوں اور سفید گھوڑوں کی قربانیاں دیتے تھے تاکہ آسمانی رحمتیں زمین پر نازل ہوں۔ وہ پتھر جمع کر کے ولادت اور فوتیدگی کی عجیب عجیب رسمیں ادا کرتے تھے۔

چنگیز خان شامن (Shaman) تھا۔ یہ لفظ بدھ مت کے Shramana کی تبدیل شدہ شکل ہوسکتی ہے۔ لیکن شامن کا طریقہ عبادت بدھ مت سے مختلف تھا۔ ان کی پوجا کا بھی اپنا ہی انداز تھا یہ لوگ بدروحوں اور آسیبوں سے مدد طلب کرتے اور ان دیکھی دنیا سے طاقت حاصل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ شامن جب جادو ٹونہ اور منتر کی جگہ سے اٹھتے تو مستقبل کی پیشنگوئیاں کرتے تھے ان کے طریقہ عبادت میں پوجا اور گانے شامل

ہوتے تھے۔

منگول چنگیز خان کو "بوگدو" یعنی دیوتاؤں کا بھیجا ہوا مانتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے ہاتھوں میں آسمانی قوتیں ہیں اور فتح اس کا مقدر ہے چنگیز خان خود کو زمین پر آسمان کا خلیفہ سمجھتا اور کہا کرتا تھا کہ "نیلے جاودانی آسمان نے سمور کے خیموں میں رہنے والی تمام نسل کو میرا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا ہے میدان جنگ ہو یا شکار گاہ پانی اور جنگل کے دیوتا میرے ہمرکاب رہتے ہیں"

چین کے شہنشاہ وائی ونگ جو چینی دستور کے مطابق آسمان کا بیٹا کہلاتا تھا نے جب چنگیز خان سے خراج کی وصولی کے سلسلہ میں شاہی فرمان جاری کیا تو چنگیز خان نے جواب میں کہا کہ" جاودانی آسمان کی فرزندی تو کسی بہت بڑے آدمی کے شان شایان ہے جبکہ یہ شخص (وائی ونگ) تو احمق اور فاتر العقل ہے ایسے بیہودہ شخص کو تخت پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے" اور اس نے اپنے یہ الفاظ بالکل سچ کر دکھائے۔ اسی طرح سلطان خوارزم شاہ نے جب منگول سفیروں کی بے عزتی کی تو چنگیز خان غصے سے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا اور کافی دیر تک نیلے جاودانی آسمان سے باتیں کرتا رہا اور جب نیچے آیا تو اس نے اپنی قوم کو خوشخبری دیتے ہوئے کہا کہ" نیلے جاودانی آسمان نے یہ بات اسے خود بتائی ہے کہ وہ اس جنگ کا فاتح ہے" پھر اس نے سلطان خوارزم شاہ کو تحریر کیا کہ اگر آسمان پر ایک سورج چمک سکتا ہے تو اس زمین پر بھی ایک خاقان حکومت کرسکتا ہے اور اس کے بعد تاریخ گواہ ہے کہ سلطان خوارزم شاہ کے لئے زمین تنگ ہوگئی تھی۔

چنگیز خان انتہائی سخت' سفاک اور بے رحم تھا لیکن وہ اپنی قوم اور رعایا کے لئے عظیم جرنیل' بلا کا سیاستدان اور عادل حکمران تھا۔ اس نے نیا فوجی نظام قائم کیا' سڑکوں اور شاہراؤں کا نظام "یام" ایجاد کیا۔ جگہ

جگہ سرائیں، چوکیاں اور فوجی مدرسے قائم کیے۔ حکومت چلانے کے لئے اس نے پارلیمینٹ قائم کی، جس کے باقاعدہ اجلاس ہوتے تھے۔ اس نے قوم کو واضح اصولوں اور بہترین قوانین پر مبنی آئین دیا جسے "یاسا" کے نام سے پکارا جاتا تھا، "یاسا" کا اٹل حکم تھا، کہ تمام انسان ایک اُس خالق کی ہستی کا اقرار کرنے کے پابند ہیں جو زندگی اور موت پر قادر ہے اور جو قہار اور جبار ہے۔ چنگیز خان خود دین و فطرت کو تسلیم کرتا اور فلسفہ تقدیر مانتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ہر مذہب میں سچائی موجود ہے۔ اس کا قانون مذہبی معاملات میں رواداری کا سبق دیتا تھا۔ "یاسا" کے مطابق دوسرے مذاہب پر تنقید قابل جرم تھی اس کے دیئے گئے آئین کے مطابق جھوٹی گواہی، جاسوسی، غداری، ہم جنسیت، زنا کاری، چوری، ڈاکہ زنی اور کالا جادو کرنے کی سزا موت تھی۔ شراب نوشی، اولاد کی نافرمانی اور شوہر سے بیوی کی سرکشی کو جرم قرار دیا گیا تھا۔ چنگیز خان مظلوم فرقوں کے لئے مذہبی رواداری کا قائل تھا۔اس نے اپنی سلطنت میں انصاف، روا داری اور نظم و ضبط کو فروغ دیا اور اسے ایک جدید فلاحی مملکت بنانے کی کوشش کی، لیکن اس وقت کے حالات و دستور کے مطابق وہ انسانی جانوں سے کھیلتا تھا اور انسانی سروں کے مینار بھی بناتا تھا۔

چنگیز خان خدا کو مانتا تھا لیکن کسی عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنی سلطنت میں ہر مذہبی تقریب میں شامل ہوتا تھا۔ ان تقاریب میں شمولیت میں اس کی سیاسی مصلحت کے علاوہ رعایا پر یہ ظاہر کرنا بھی ہوتا تھا کہ وہ خدا کو مانتا ہے۔ اور لوگ اس کا خدا پر یقین تسلیم کر لیں۔ ایپوشہر کو تباہ و برباد کرنے کے بعد جب چنگیز خان نے شام پر حملہ کیا تو اس وقت ابن خلدون دمشق میں تھا ابن خلدون کہتا ہے کہ اس کے کہنے پر چنگیز خان نے قضاۃ اور رؤسا کو معاف کر دیا اور اس کی لکھی گئی شمالی امریکہ کی تاریخ کا منگول زبان میں ترجمہ کروایا ابن خلدون نے چنگیز خان

کو قرآن مجید کا ایک خوبصورت نسخہ ایک شاندار زرہ، قصیدہ بردہ کا ایک نسخہ اور عمدہ مصری مٹھائی پیش کی چنگیز خان نے قرآن مجید کو اپنے سر پر اٹھا لیا اور قصیدہ بردہ کے بارے میں دریافت کیا۔ایران کی فتح کے بعد چنگیز خان نے اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے اپنے دربار میں مسلمان علماء اور دانشوروں کو طلب کیا۔ اسے اسلامی تعلیمات پسند آئیں لیکن وہ مکہ جا کر حج کرنے کو پسند نہیں کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ' تمام زمین اللہ کی ہے اور جس جگہ بھی نماز پڑھی جائے اللہ تک پہنچ جاتی ہے وہ کہتا تھا کہ جسم لافانی اور لامکاں ہوتا ہے جو درحقیقت فلسفہ آواگوں کی ابتدائی شکل تھی۔

چنگیز خان علم دوست تھا اور دانشوروں اور فلسفیوں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ختا کی جنگ کے بعد اس نے چین کے ان دانشوروں اور فلسفیوں کو جنہوں نے اطاعت قبول کر لی تھی نہ صرف معاف کر دیا بلکہ انہیں اپنے دربار میں جگہ دی۔ اس کا حکم تھا کہ سفر کے دوران بھی یہ چینی فلسفی اس کے ساتھ رہیں تاکہ وہ علم و ہنر کی وہ باتیں سیکھ سکے جو اس نے کبھی نہیں سنی تھیں۔

وہ نسوانی حسن و جمال کا قدر دان ہونے کے باوجود زبردستی جسمانی گناہ کا قائل نہ تھا۔ بورتائی کے علاوہ اس کی بہت سی بیگمات تھیں جن میں چین اور ترک شاہی خانوادوں کی شہزادیاں اور صحرائی قبیلوں کی دوشیزائیں شامل تھیں موت کے وقت اس کی پانچ بیویاں اور پانچ سو کنیزیں ماتم کناں تھیں۔

چنگیز خان کو زمین میں دفنایا گیا اور قبر میں اس کی پسندیدہ خوراک اور اس کے ہتھیار رکھ کر بند کیا گیا چنگیز خان کے اس عقیدے کے مطابق کہ جسم لافانی اور لامکاں ہوتا ہے یوزیان گوت قبیلے کے ان لوگوں کو قبر کی حفاظت کے لئے مامور کیا گیا جو ماورائی قوتوں اور نیلے جاودانی

آسمان سے ہمکلام ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ اسی طرح قاآن جو چین اور ختا کا بادشاہ تھا جب فیروز کے مقابلے میں مارا گیا تو اس کی نعش دفنانے کے لئے زمین کے اندر ایک بڑا مکان کھودا گیا اس میں نفیس نفیس فرش بچھائے گئے اور اس کے اندر قاآن کو اس کے ہتھیاروں سمیت رکھا گیا اسکے چاندی سونے کے برتن' چار لونڈیاں' چھ غلام اور پانی پینے کے برتن بھی ساتھ رکھے گئے پھر ایک دروازہ بنا کر اسے مٹی سے بند کر دیا گیا۔ قبر پر ایک چبوترہ بنایا اور اس پر چار گھوڑوں کو دوڑایا گیا جب وہ تھک گئے تو ایک بڑی لکڑی گاڑی گی اور ہر ایک گھوڑے کی پشت میں سے ایک اور لکڑی دے کر اس کے منہ سے نکالی گئی اور بڑی لکڑی کے ساتھ ان گھوڑوں کو آویزاں کر دیا گیا۔اس روز شہر کے تمام مرد اور عورتیں مسلمان یا کافر ماتمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ کافروں نے سفید چادریں اور مسلمانوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

چنگیز خان کے خاندان نے 1215ء سے 1368ء تک حکومت کی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔[1] اوکتائی قاآن جس کے بعد اس کا بیٹا چین کے تخت پر بیٹھا۔[2] تولی خان' اس کے تین بیٹے تھے جن میں ہلاکو خان بھی شامل تھا جس کی اولاد نے ایران پر حکومت کی۔[3] منگو قاآن جو کویک قاآن کے بعد چین کے تخت پر بیٹھا قبلائی قاآن جو اپنے بھائی منگو قاآن کے بعد تخت پر بیٹھا اور اس نے تمام چین کو فتح کیا۔ اس نے پچاسی سال عمر پائی اور چوالیس برس حکومت کی۔ قبلائی قاآن کا پوتا تیمور قاآن اپنے دادا کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا۔ چغتائی قاآن اور اس کی اولاد نے ماوراالنہر اور ترکستان پر حکومت کی۔ جوجی قاآن اور اس کی اولاد قپچاق اور روس کے بادشاہ رہے۔ قبلائی قاآن اور اس کی اولاد جو چین میں تھی کے علاوہ سب شاخیں آگے پیچھے مسلمان ہو گئی تھیں۔چنگیز خان کا پورا خاندان مذہب کے معاملے میں کھلے ذہن کا مالک تھا اور تمام مذاہب کی تقاریب میں برابر

حصہ لیتا تھا' منگو خان کے اہل خانہ میں عیسائیت موجود تھی۔ ہلاکو خان جس نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور آٹھ لاکھ سے زائد لوگوں کو تہ تیغ کیا نے نجف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کے مزار اقدس پر سر تسلیم خم کیا اور مزار اقدس کی باقاعدہ مرمت و حفاظت کی۔ شیعہ محقق نصیرالدین طوسی اس کا وزیر تھا اور اسی کے مشورہ سے محرم 656ھ میں ہلاکو خان نے خلیفہ مستعصم کو قتل کرکے سلطنت عباسیہ کو ختم کر دیا تھا منگولوں کی فوج میں بھی ہر مذہب کے جرنیل اور سپاہی موجود تھے۔ وہ جدھر بھی جاتے موت کا پیغام لیکر جاتے تھے' لیکن وہ اپنے ساتھ وہاں کے رسم و رواج اور علم و دستور لیکر آتے تھے۔ یہ درست ہے کہ کوئی علم ان کی اپنی ایجاد نہیں ہے لیکن فروغ علم کے میں دنیا کی تاریخ میں ان کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔

چنگیز خان کے پوتے قبلائی خان نے شامن مذہبی رسومات کو ایک عجیب و غریب اور نیا رنگ دیا اس نے اپنے آپ کو ان ہی لوگوں کے رنگ میں رنگ لیا جن پر اس نے فتح حاصل کی تھی۔ وہ عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا اس نے بلاتمیز مذہب اہل ہنر اور اہل ادب کو اپنے دربار میں پناہ دی۔ چین میں اس کی زرعی اصلاحات' گرانی کے خلاف انتہائی جدوجہد' مالی ضابطے اور غریب عوام کے لئے امدادی کاموں کی مثالیں آج بھی راہنمائی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس نے ایک نہر پیکن سے لے کر زیتون تک بنوائی جس کا طول اُس وقت چالیس دن کے سفر کے برابر تھا اور اس کے برابر ایک پختہ سڑک بنوائی۔ اس نہر کی موجودہ لمبائی 650 میل ہے اور اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی بلاشبہ قبلائی خان چین کی تاریخ میں عظیم جرنیل ہی نہیں بلکہ عظیم حکمران بھی تھا۔ کیونکہ وہ عوام کے دلوں پر حکومت کرنے کا فن جانتا تھا۔

قبلائی خان نے یہ جانچنے کے لئے کہ دنیا میں کون سا مذہب بہتر

ہے۔ مسلمان، عیسائی اور بدھ مت کے عالم، فاضل اور دانشور لوگوں کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ پاپائے روم کو 100 عالم بھیجنے کے لئے لکھا اور انجیل کا ترجمہ کروایا گیا اس کے دربار میں مشہور زمانہ لاما متی دواجہ (Mati Dhawaja) جسے بعد میں تبتی دلائی لامہ (Tibetan Dalai Lama) کا خطاب دیا گیا اور تکیہ پنڈت جسے بدھ مذہب کا واعظ (Phagsa) تسلیم کیا گیا تھا بھی موجود تھے۔ قبلائی خان کے مذہب کے معاملہ میں چھان بین اور سوچنے کی آزادی دراصل مذہب کا مضبوط پس منظر نہ ہونے کا باعث تھی۔

امیر تیمور کا باپ ترک اور ماں منگول نسل سے تعلق رکھتی تھی، اس کا باپ ماوراالنہر کے ترک قبیلہ برلاس کا سردار تھا اور اس کا نام زغی یاطراغائی تھا تیمور خان 1336ء میں سمر قند کے قریب کیش کے مقام پر پیدا ہوا 1380ء میں اسے قبیلے کا سردار چنا گیا اس نے بھی چنگیز خان کی طرح پہلے منتشر قبائل کو یکجا کر کے زبردست قوت پیدا کی اور پھر عظیم الشان فتوحات حاصل کیں اس نے ایران، عراق اور ایشیائے کوچک میں عثمانی ترکوں کو تہ تیغ کیا اور افغانستان اور روس کے بعض علاقوں پر قبضہ کر کے ہندوستان کی سرزمین کو روند ڈالا مسلمان ہو یا کافر جس کسی نے بھی اس کی برتری کو تسلیم نہ کیا تہ تیغ کر دیا گیا۔

امیر تیمور کی رگوں میں مغلوں اور ترکوں کا خون تھا دلیری، وحشت اور بربریت ان دونوں قبیلوں کی میراث تھی اسی لئے وہ خون کی پیاس خون سے بجھاتا تھا خون بہانا اس کی خوشی تھی اور فتح اس کو مسرور کرتی تھی اس نے یہ پیاس ستر ہزار انسانی کھوپڑیوں کے اونچے مینار بنا کر چار ہزار انسانوں کو زندہ نذر آتش کر کے اور دو ہزار شیوخ کو زندہ دیوار میں چنوا کر بجھائی۔ وہ حملہ کے وقت شہر کے باہر محاصرہ کے دوران پہلے سفید جھنڈا لہراتا جو صلح کی نشانی اور تابعداری قبول کرنے کی علامت ہوتی تھی پھر وہ

سرخ جھنڈا لہراتا جس کا مطلب شرفا اور امرا کا قتل ہوتا تھا۔اس کے بعد وہ کالا جھنڈا لہراتا جس کا مطلب شہر کی مکمل تباہی و بربادی ہوتا تھا اور وہ اس صورت میں کسی نتیجہ کی پرواہ کیئے بغیر کالے گھوڑوں پر شہر کی طرف دوڑ پڑتا تھا۔

امیر تیمور کے متعلق مختلف رائیٹرز نے مختلف انداز سے لکھا ہے کچھ اسے پکا مسلمان لکھتے ہیں تو کچھ کافر اور ملحد کہتے ہیں۔ کوئی اسے کٹر سنی لکھتا ہے تو کوئی اسے شیعہ کہتا ہے۔ ایک اسے غازی کہتا ہے تو دوسرا انسانیت کا قاتل اور لیٹرا کہتا ہے۔ یورپ والے اسے قہر خداوندی اور قصاب کہہ کر اس سے نفرت کرتے ہیں ایشیا کے بعض مورخ اسے گرگ سیاہ کہتے ہیں اور بعض اسے شیر ژیاں اور گیتی ستاں کا لقب دیتے ہیں۔ بغداد کے سنی مسلمان اسے خلیفہ تسلیم نہیں کرتے اور اسے کافر اور ملحد کہتے ہیں۔ جبکہ سادات اسے اسلامی فاتح قرار نہیں دیتے لیکن چنگیزخان کی طرح امیر تیمور کو بھی اگر ایک جانب انسانوں کا قاتل' لیٹرا اور قہر خداوندی کہا جاتا ہے تو دوسری جانب اسے دنیا کا عظیم فاتح بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ تیمور کی فتوحات 771ھ میں شروع ہوئیں۔ دمشق اور حلب کو اس نے 803ھ میں تاخت و تاراج کیا۔ بلاد روم میں 804ھ میں داخل ہوا۔ ہندوستان پر اس نے ماہ محرم 801ھ میں حملہ کرکے سندھ اور پنجاب کو روندتے ہوئے16 جمادی الاول کو دہلی کو فتح کرکے قتل عام کا بازار گرم کیا۔

امیر تیمور نے خود بھی کبھی اسلامی فاتحین کا سا انداز نہیں اپنایا وہ مہمات کے دوران جو بھی تقریر کرتا تھا وہ مذہبی نہیں سیاسی ہوتی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی اس نے زیادہ تر لڑائیاں مسلمانوں کے خلاف ہی لڑی تھیں وہ امیر تیمور کورگن اور خدا کا نائب کہلوانے میں فخر محسوس کرتا تھا وہ کبھی بھی خلافت ختم کرنے پر شرمندہ نہیں ہوا وہ کہا کرتا

تھا کہ "میں پیغمبر کی آل کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتااور نہ ہی خلافت کے سلسلہ میں کعبہ کی سرداری کو تسلیم کرتا ہوں" وہ خود کو زمین پر خدا کا نائب اور خلیفتہ اللہ سمجھتا تھا۔ اس کی سلطنت میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

امیر تیمور مسلمان ہونے کے باوجود مذہب کے معاملہ میں کھلے ذہن کا مالک تھا۔ اس کی فوج میں ہر مذہب کے جرنیل اور سپاہی موجود تھے۔ اور اس نے مختلف درباروں میں عیسائی سفیر مقرر کر رکھے تھے۔ بایزید کے مقابلہ میں اس کا اپنے کٹر سنی العقیدہ ہونے کا دعویٰ خالصتاً" سیاسی تھا۔ جو 1402ء میں انگورا کی لڑائی اور بایزید کی موت کے ساتھ ہی ختم ہوگیا تھا اس جنگ میں فتح کے بعد ترکوں نے اسے خلیفتہ اللہ کا خطاب دیا اور یہ خطاب اس کے خاندان میں 1857ء تک رہا ہندوستان پر حملہ کا مقصد اسلامی عقائد کی اشاعت و ترویج ظاہر کرنا بھی سیاسی تھا اور تاریخ گواہ ہے کہ اس نے ہندوستان میں اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی تھی۔امیر تیمور نے جب چغتائی خان اور تغلق تیمور کو شکست دی تو اس نے صرف امیر کا خطاب اختیار کیا۔ حالانکہ اس وقت منگول حکمران "خان" کہلواتے تھے۔ منگولوں کی ہیبت او جنگجو آنہ صفات کے باعث یہ حکمران ان کی مدد سے حکومت کرنا چاہتا تھا لہٰذا امیر تیمور نے چنگیز خان کے خاندان میں امیر کزغان کی پوتی الجز ترکان خاتون سے شادی کرکے "کورگان" کاخطاب اختیار کیا۔ تیمور اپنی سیاسی برتری کے باوجود چنگیز خان کے خاندان کو بادشاہ تسلیم کرتا تھا اور خود صرف امیر کہلواتا تھا۔ بابر اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے بادشاہ کا خطاب اختیار کیا۔ بادشاہ کا لقب اختیار کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ یہ خطاب "سلطان" اور "شاہ" کے خطابات سے علیحدہ تھا جو عثمانی اور صفوی خاندانوں نے اختیار کر رکھے تھے۔

امیر تیمور تمام تر مظالم کے باوجود باقاعدگی سے نماز پڑھتا تھا' جہاں

کہیں بھی مزار دیکھتا تھا رک جاتا اور بزرگ کی روح سے مدد طلب کرتا تھا اس کا حکم تھا کہ لڑائی کے دوران درس گاہوں اور شفاخانوں کی حفاظت کی جائے ہر شام وہ لڑائی کے اختتام پر برگزیدہ لوگوں کو اپنے دربار میں بلاتا اور ان سے ہدایات حاصل کرتا۔ ان میں انعامات تقسیم کرتا اور ان سے دعائیں حاصل کرتا تھا وہ رات کو مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتا تیمور کہتا تھا کہ

"میں نے جتنی بھی حکومتیں ختم کیں ان کے اصل وارثوں کے حوالے کر دیں اور میں نے انہیں رواداری اور سخاوت کا درس دیا میں نے انہیں تابعداری اور فرمانبرداری کا سبق دیا اور جس کسی نے بھی سرکشی کی جرأت کی اس پر میں نے طاقتور' باتدبیر' دانشمند اور دیانتدار گورنر مقرر کر دیا' جو سرکش کے لیے تباہی کا باعث بنتا تھا جبکہ تابعدار کی وہ عزت کرتا تھا"

امیر تیمور علماء' صوفیا اور درویشوں کی بڑی قدر کرتا تھا' امیر تیمور جب روم فتح کر کے واپس آ رہا تھا تو وہ راستہ میں اردبیل کے مقام پر صفی الدین ابن اسحاق شاہ صفی جو ایک پائیہ مرتبت بزرگ سید تھے کے فرزند شیخ صدر الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دعا کی درخواست کی ان سید زادہ کے کہنے پر امیر تیمور نے ہزاروں قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا بعد میں یہی صفوی خاندان ایران کا حکمران بنا اور اس خاندان نے بابر اور ہمایوں کی دور گردش میں بڑی مدد کی امیر تیمور نے 801ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا اور بڑے بڑے شہروں کو ویران کر دیا ہندوستان میں قتل و غارت گری کے مناظر تاریخ کے اوراق کبھی نہیں بھول سکتے۔ لیکن اجودھن (پاک پتن) پہنچنے پر اس نے سب سے پہلے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے مزار پر حاضری دی اور صاحب مزار کی روح سے مدد طلب کی حضرت فرید الدین گنج شکر کے ایک صاحبزادے کی

سفارش پر چنڈول رائے کی جان بخشی کا حکم دیا۔ ناصر الدین محمود کو شکست دینے کے بعد جہاں اس نے مفرور اور باغیوں کو تلاش کر کے تہ تیغ کیا' وہاں عیدگاہ کے میدان میں بڑے بڑے عالم' فاضل اور درویشوں کو مالا مال کر دیا قلعہ لوئی پر قبضہ کے بعد جب لگان کے مسئلہ پر اختلاف ہوا تو امیر تیمور نے سادات' علماء اور مشائخ کے علاوہ سب کو قتل کر دیا ماوراالنہر کے نامی بزرگ عبداللہ صدر کے ساتھ گستاخی کرنے پر اس نے شیخا کھکر جو لاہور کے قلعہ کا مالک بنا ہوا تھا حملہ کر کے گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا۔

امیر تیمور جنگ میں عالم فاضل اور صوفیا کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کی نظر میں شیوخ بھی جنگ میں اتنے ہی ضروری تھے جتنے کہ سپاہی۔ جنگ میں وہ پڑھے لکھے لوگوں کو بڑی محفوظ جگہ پر رکھتا اور اس کا شیوخ اور علماء کے ساتھ سلوک ہمہ گیری حیثیت رکھتا تھا۔ بغداد کی تباہی اور انسانوں پر بے انتہا ظلم و ستم کے باوجود اس نے شیوخ اور علماء کے ساتھ بہتر سلوک کیا۔ ہندوستان کے حملہ کے دوران وہ شیخ احمد بن محمد تھانیسری جنہیں فقہ و اصول و ادب عربی میں ملکہ حاصل تھا کو اپنے ساتھ سمرقند لے جانا چاہتا تھا لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو انہیں دہلی رہنے کی اجازت دے دی گئی

امیر تیمور کی وفات کے بعد اس کی وسیع سلطنت کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی ماوراالنہر اس کے بیٹے شاہ رخ مرزا کو ملی' جبکہ دوسرے بیٹے میراں شاہ مرزا کو جس کی نسل میں ظہیر الدین محمد بابر پیدا ہوا کے حصہ میں آذربائیجان' سیریا اور عراق آئے شاہ رخ نے 1304 سے 1347 تک حکومت کی اس کا دربار بڑا عظیم الشان اور دانشوروں سے پُر تھا اس نے باپ کی طرف سے کی گئی تباہی و بربادی کو سنبھالنے میں کافی محنت اور وقت صرف کیا اس نے اپنے دور حکومت میں سائنس اور ادب کو بہت

فروغ دیا اس کے دربار میں عبدالقادر آف مورگا جیسا میوزیشن' قائم الدین جیسا انجینئر اور آرکیٹیک اور مولانا خالد جیسا پینٹر موجود تھے۔

یہ عجیب حقیقت ہے کہ اتنے سنگدل شخص کا بیٹا اتنا مہربان' دلکش' دلاویز اور پڑھے لکھے لوگوں کا دوست ہوسکتا ہے وہ جمعہ اور سوموار کی راتوں کو ان لوگوں سے زبانی قرآن پاک سنتا تھا جو قرآن پاک کو صحیح معنوں میں سمجھتے تھے۔شاہ رخ کے بیٹے الغ بیگ نے سمر قند میں ایک مشہور رصد گاہ قائم کی اور مشہور زمانہ Astronomical Taleles جسے zich-i- ulagh Beg بھی کہا جاتا تھا ترتیب دی۔ الغ بیگ کے دوسرے بھائی کو بھی دنیا کا عظیم Biliophileo مانا جاتا ہے۔

الغ بیگ کے قتل کے بعد ابو سعید مرزا نے سمر قند پر قبضہ کر کے بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اس نے نہ صرف ماوراالنہر کو رفتہ رفتہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا بلکہ اپنی حدود مملکت کو خراسان اور مکران اور دریائے سندھ تک بڑھا لیا۔ سلطان ابو سعید مرزا امیر تیمور کی اولاد میں سے تھا جس کا سلسلہ نسب امیر تیمور تک اس طرح پہنچتا تھا۔ ابو سعید مرزا بن سلطان عمر مرزا بن میراں شاہ مرزا بن تیمور صاحبقراں زماں۔

ابو سعید مرزا 860ھ میں سمرقند میں پیدا ہوا اور 39 سال کی عمر میں وفات پائی۔سنی العقیدہ حنفی مسلمان تھا درویشوں کی بڑی قدر کرتا اور ان سے دعائیں منگواتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتا تھا وہ حضرت خواجہ عبیداللہ کا مرید تھا۔ عراق پر فوجی یلغار کے دوران سلطان ابو سعید مرزا قتل ہوگیا تو اس کی وسیع سلطنت مختلف شہزادوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بٹ گئی بابر کے والد سلطان عمر شیخ مرزا کو فرغانہ اور اندجان کی چھوٹی سی ریاست ملی فرغانہ ایک چھوٹا سا ملک تھا جس کے مشرق میں کاشغر مغرب میں سمرقند جنوب میں کوہستان' بدخشاں اور شمال میں ویران جنگل تھا۔ مرغنیان' انشی اور نجند مشہور شہر تھے' سلطان عمر شیخ شاعری کا

دلدادہ تھا اور اسے بہت سے شعر زبانی یاد تھے لیکن وہ خود شعر نہیں کہہ سکتا تھا وہ اپنا زیادہ تر وقت کتابوں میں گزارتا تھا جن میں تاریخ اور شاعری کی کتابیں ہوتی تھیں شاہنامہ اسے حفظ اور مثنوی روم اسے ازبر تھی۔ وہ درویشوں اور صوفیوں کی بہت قدر کرتا تھا اور اکثر ہدایت حاصل کرنے کے لئے ان کے قدموں میں بیٹھا رہتا تھا لیکن اس کے باوجود شراب پیتا' جوا اور چوسر کھیلتا تھا اور افیون کا رسیا تھا

ظہیر الدین محمد بابر 12 فروری 1483ء کو اسی فرغانہ کی سرزمین پر پیدا ہوا' جو بعد میں ہندوستان پر ایک تابندہ ستارہ بن کر چمکا 9 جون 1494ء کو سلطان عمر شیخ مرزا کبوتر خانہ کی چھت سے گر کر فوت ہوا تو اس وقت ریاست فرغانہ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھی یہ دشمن غیر نہیں اپنے ہی تھے۔

باپ کی وفات کے بعد بابر نے بارہ سال کی عمر میں فرغانہ کی عنان حکومت سنبھالی' لیکن اسے اپنوں نے اس جدی میراث سے نکال دیا بابر نے فرغانہ کو حاصل کرنے کے لئے چھ بار حملہ کیا اس نے 1519ء سے 1525ء کے دوران ہندوستان پر بھی پانچ حملے کئے اور آخر میں سلطان ابراہیم ابن سکندر لودھی کو پانی پت کے میدان میں زبردست شکست دینے کے بعد سارے ہندوستان کو فتح کر لیا اور ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تین سو سال سے زیادہ عرصہ قائم رہی' بابر کی سلطنت ہمالیہ سے گوالیار اور چندیری تک اور دریائے جیوں سے بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔

بابر سنی العقیدہ مسلمان تھا' وہ پنجگانہ نماز ادا کرتا اور ہر جمعہ کے روز روزہ رکھتا تھا۔ موسیقی' املا اور انشا وغیرہ علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں شعر کہتا۔ ترکی میں اس کا دیوان بھی ہے۔ اس نے مثنوی معارف الیہ : "مبین" عروض میں چند رسائل اور مشہور زمانہ تزک بابری لکھنے کے علاوہ خط البابری میں پورا کلام مجید لکھ کر

مکہ مکرمہ بھجوایا۔ اس کی منصف مزاجی اعلیٰ درجہ کی تھی لیکن وہ شراب پیتا اور اس کی نجی محفلوں میں پری چہرہ حسینوں کا ہجوم رہتا تھا اس نے کابل میں ایک جنت مثال مرغزار میں پتھروں کا حوض بنایا جسے شراب ناب سے پُر رکھا جاتا تھا اور وہ اس حوض کے کنارے اپنے خوش مزاج اور ذی عقل دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر عیش و عشرت کی محفلیں منعقد کرتا تھا اس نے اپنا یہ شعر اس حوض پر کندہ کروایا۔

نوروز و نوبہار مئے دلبری خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

عیش پرست ہونے کے باوجود اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر بڑا پختہ ایمان تھا وہ کہا کرتا تھا کہ تین حکمران ہندوستان پر حملہ آور ہوئے پہلا محمود غزنوی' دوسرا شہاب الدین غوری اور تیسرا میں۔ سلطان محمود غزنوی حملہ کے وقت خوارزم شاہ' ماورالنہر اور خراساں کا حکمران' اس کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی اور ہندوستان میں کوئی ایک عظیم الشان بادشاہ نہ تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی اور اس کا بھائی خراساں کا حکمران تھا لیکن میرے ساتھ صرف ڈیڑھ دو ہزار سوار تھے جبکہ ہندوستان میں ابراہیم لودھی کی مستحکم حکومت موجود تھی جس کے لشکر میں ایک لاکھ سپاہ اور ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے لیکن اس کے باوجود مجھے کامیابی نصیب ہوئی اور ہندوستان میرے قبضے میں آگیا میں اس کو اپنی کوشش اور جدوجہد کا نتیجہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ فتح محض خدا کی عنائت اور کرم کی وجہ سے مجھے عنائت ہوئی اور یہ میرا ایمان ہے"۔

بابر نے ہندوستان کی فتح کے بعد لوٹے ہوئے خزانوں میں سے جہاں اپنے دوستوں عزیزوں کو جو سمرقند' خراساں' کاشغر اور عراق میں تھے تحفے اور ہدیے روانہ کئے وہاں اس نے مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' کربلائے معلیٰ نجف اشرف' مشہد مقدس اور دوسری متبرک جگہوں پر اور اولیاء کرام کے

مزارات پر نذریں چڑھائیں اور حاجتمندوں میں روپے تقسیم کئے۔

رانا سانگا سے لڑائی کے وقت اس کے فوجی جرنیلوں اور نامور نجومی محمد شریف کی جنگ ہارنے کی پیشنگوئی کے باوجود بابر نے حوصلہ نہیں ہارا اور جواب دیتے ہوئے کہا:۔

" میری اس بزدلی اور کمزوری پر دنیائے اسلام کے فرمانروا مجھے یہی کہیں گے کہ میں نے محض جان کے خوف سے اتنے بڑے ملک کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ درجہ شہادت حاصل کرنے کا خیال دل میں لیکر مرادنگی اور بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہوں"۔ بابر نے اس فتح کے بعد اپنے آباؤ اجداد کی طرح پہاڑی کی چوٹی پر دشمنوں کے سروں کا مینار بنوایا۔

بابر نے سیاسی مصلحت کی بناء پر شہنشاہ ایران کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اس سے شیعہ خلعت وصول کی لیکن شیعہ ہونے کا یہ اعتراف اعتقاد کی صورت میں نہ تھا جیسے ہی اسے موقعہ ملا اس نے شیعہ مسلک کو خیرباد کہہ دیا اس نے ہندوستان پر برسر اقتدار آتے ہی اپنے نام کا خطبہ شروع کروایا اور خلفاء کے نام سے جاری شدہ سکے بند کر دیئے اس نے مذہبی روا داری کی پالیسی اپنائی۔بابر انڈیا کی مہم جوئی کے دوران اپنے بیٹے ہمایوں مرزا کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اس لئے وہ لوگ توقع رکھیں گے کہ تم ان سے مذہب کے معاملہ میں غیر جانبدار رہ کر انصاف کرو' لہٰذا گائے کو ذبح کرنے سے باز رہنا۔کسی بھی عبادت گاہ کو تباہ نہ کرنا اور اسلام کی اشاعت و ترویج محبت اور اعتماد کے ساتھ جاری رکھنا"۔

وہ ایک پڑھا لکھا بادشاہ تھا' جسے شاعری سے بھی لگاؤ تھا حضرت عبید اللہ احرار کے رسالے "ولدیہ" میں اسی لہجہ میں نظم لکھتا تھا جو لہجہ مولانا

جامی کا تھا اس نے حضرت خواجہ عبیداللہ کی والدہ کے رسالہ مدحیہ کو بروزن رمل مسدس، مجنون اخرب اور مجنون مجذوب منظوم کیا۔ تزک بابری اس کی خود نوشت ہے جو ارباب دانش کے نزدیک ترکی نثر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کا دو ہزار شعروں پر مشتمل دیوان، مثنوی (مبین) جو مذہبی رنگ میں لکھی گئی تھی اب بھی محفوظ ہے۔ شیخ زین الدین وفائی نے اس مثنوی کی شرح اور تزک بابری کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ بابر زندگی کے اہم واقعات، شخصیات اور حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کا عادی تھا لیکن مذہبی طور پر اتنا ہی مسلمان تھا جتنا کہ ایک ملحد۔ مذہبی اعتقاد میں اتنی خامیاں موجود تھیں جن پر کوئی بھی مسلمان اعتراض کرسکتا ہے۔

بابر بزرگوں کی بے انتہاعزت کرتا، مزاروں پر حاضری دیتا، دعائیں مانگتا اور نذر نیازیں چڑھاتا تھا وہ حضرت شیخ شریف الدین یحیٰ کے والد محترم کے مزار پر حاضری دیتا اور دل کھول کر خیرات کرتا تھا اس نے مرتے وقت وصیت کی کہ اسے مرنے کےبعد کابل میں رسول اللہ صلعم کی قدم گاہ میں دفنایا جائے۔ اور اب وہیں مدفون ہے۔

نصیرالدین ہمایوں 26 ذ-عقد 913ھ میں کابل کے قلعہ میں پیدا ہوا فنون حرب و سیاست کے علاوہ ترکی اور فارسی میں شعر گوئی میں کمال حاصل تھا اس نے علم ہیئت و ہندسہ و نجوم اور علم اضطرلاب نورالدین سعیدونی سے پڑھا۔ ہمایوں نے جلال الدین، شیخ ابوالقاسم جرجانی اور مولانا الیاس ارد بیلی سے بھی تعلیم حاصل کی اور ان سے علامہ قطب الدین رازی کی زرۃ التاج پڑھی۔ ہمایوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد 1530ء میں ہندوستان کی عنان حکومت سنبھالی لیکن کالنجر کی فتح کے بعد جونپور میں سلطان لودھی کے مقابلہ میں پسپا ہوکر گجرات کا رخ کیا۔ گجرات سے مالوہ اور مالوہ سے بنگال پر قبضہ کرنے کی غرض سے مشرقی جانب بڑھا۔ 1539ء میں چوسہ کے مقام پر شیر شاہ سوری سے زبردست شکست کھائی اور ہمایوں

کے ہزاروں سپاہی گنگا میں ڈوب گئے۔ جبکہ اسے نظام سقہ نے بچا لیا۔ ہمایوں نے آگرہ پہنچ کر از سر نو فوج تیار کی اور قنوج کے مقام پر 1540ء میں شیر شاہ سوری کا مقابلہ کیا اور دوبارہ شکست کھائی۔ ہمایوں لاہور سے ہوتا ہوا سندھ پہنچا۔ پھر قندھار گیا اور وہاں سے ایران و مشہد ہوتا ہوا قزوین میں وارد ہوا۔ ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی جو مشہور سید بزرگ صفی الدین ابو اسحاق کی اولاد میں سے تھا نے اس کی خاطر مدارت کی اور چودہ سو شمشیرزن مہیا کئے۔ ان دنوں شیر شاہ سوری وفات پا چکا تھا۔ لہٰذا ہمایوں نے شاہ ایران کی مدد سے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔

نصیر الدین ہمایوں بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا وہ درویشوں اور صوفیوں کی بے حد قدر کرتا تھا۔ سنی العقیدہ تھا لیکن باپ کی طرح سیاسی مصلحت کے تحت شیعہ خلعت پہنی اور سلطنت ہند کو مسند امارت میں تبدیل کر دیا۔عراق اور خراسانی شیعہ اس کے اردگرد رہتے تھے۔ ہمایوں نے قزلباشوں اور عراقیوں کو شاہانہ نوازشوں سے مالا مال کیا اور انہیں اراکین سلطنت میں شامل کیا۔ مولانا حمید الدین سنبھلی جن کا ہمایوں بڑا معتقد تھا سلطان سے اس وجہ سے ناراض ہوئے۔ کہ ہمایوں ایران جاکر شیعہ ہو گیا تھا۔ ہمایوں نے مولانا سے پوچھا کہ انہوں نے اس کا شیعہ ہونا کیسے آزمایا۔ مولانا نے کہا کہ تمہارے لشکر میں شامل لشکریوں کے نام یاد علی۔ کنش علی اور حیدر علی ہیں۔ ہمایوں نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں مگر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے جد امجد کا نام عمر شیخ مرزا تھا۔ بعض مورخین ہمایوں کو شیعہ اور بعض سنی بتاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سنی العقیدہ اور حنفی المذہب تھا۔

ہمایوں کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا یہاں تک کہ 1555ء میں اس کی موت بھی دارالمطالعہ سے گرنے کی وجہ سے ہوئی۔ بابر کبھی کبھی شعر گوئی کرتا تھا مگر ہمایوں کو شعر گوئی میں قدرت حاصل تھی۔ اس کا قلمی دیوان

بہار میں موجود ہے۔ علم ہیئت اور ریاضی میں اس کی تحقیقات اور اختراعات "قانون ہمایوں" میں بالتفصیل درج ہیں۔ اس کی مجلس میں علمی تذکرے ہوتے تھے عالموں فاضلوں کی صحبت پسند کرتا اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ بلاوضو اللہ پاک کا نام نہیں لیتا تھا۔ عفوودرگزر اس کا خاصہ تھا۔ اس کی شکستوں میں اس کے بھائیوں کا بڑا دخل تھا۔ لیکن جب وہ برسراقتدار آیا تو اس نے اپنے بھائیوں کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ انہیں مناصب جلیلہ پر فائز کیا۔ لیکن اگر بابر شراب پیتا تھا تو ہمایوں افیون کا رسیا تھا۔

مضبوط مذہبی پس منظر نہ ہونے کے باعث مغل قبیلے ایشیاء کے مختلف علاقوں میں مختلف عقیدے اور مذہب رکھتے تھے۔ چین میں مغل بدھ مت کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور یہی مذہب اختیار کئے ہوئے تھے۔ جنوبی روس اور مغربی ترکستان میں مغلوں نے اسلام قبول کر لیا تھا قپچاق (Kipchak) میں اگرچہ مغلوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ اپنے پرانے مذہب شامن ازم (Shamanism) کی بے شمار مذہبی رسومات اپنائے ہوئے تھے یوکرائن کے مغل مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ عیسائیت کی طرف راغب ہوچکے تھے۔

چنگیز خان اور امیر تیمور کے خاندانوں نے اگرچہ ہندوستان پر مغلیہ سلطنت کے قائم ہونے سے 150 سال قبل اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کی پیدائش وسط ایشیاء میں ہونے کی وجہ سے وہ پوری طرح مذہب اسلام کو نہ اپنا سکے وہ دوسرے معاملات کے مقابلے میں مذہبی اعتبار سے آزاد خیال رہے اور مذہب سے زیادہ رائج رسومات کی جانب راغب رہے بلکہ ثقافتی سماجی رہن سہن میں بھی مذہبی پابندیوں سے آزاد رہے۔ ان میں پرانے مذہب(Shamanism) کی بہت سی روایات اور رسومات موجود تھیں۔ بابر اور ہمایوں بھی کبھی اپنے محلات میں خوش نہیں رہے بلکہ جنگلوں میں

کیمپ لگا کر اچھی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ بابر نے شاہی مراعات کے تحت معاشرتی آزادی کو اپنایا وہ اپنے خاندان کی طرح شراب پیتا تھا جو اسلام میں منع ہے اس نے سیاسی مصلحت کے تحت شیعہ مسلک اختیار کیا اور اسی مصلحت کے تحت اسے خیر باد کہہ دیا ہمایوں بھی اپنے باپ کی طرح مذہب کے معاملہ میں نہ اتنا اچھا تھا اور نہ اتنا بُرا۔ وہ بھی شیعہ مسلک سے سیاسی مصلحت کے تحت وابستہ رہا اور شاہ ایران سے دوستی کا دم بھرتا رہا بلکہ اس نے شیعہ خلعت بھی پہنی اور شیعہ مزارات پر حاضری بھی دیتا رہا۔ اس نے سلطنت ہندوستان کو "مسند امارت" میں تبدیل کر کے شیعہ مسلک سے عقیدت کا اظہار بھی کیا۔ لیکن دراصل وہ سنی العقیدہ رہا۔ مغل بادشاہ ادب اور ادبی لوگوں کی بے انتہا قدر کرتے تھے۔ تعلیم یافتہ لوگوں سے میل ملاپ، مزارات پر حاضری اور علم سے لگاؤ ان کے معمولات میں سے تھا، لیکن ان میں ظالمانہ صفات بھی موجود تھیں۔ چنگیز خان کا تورہ جب بھی چاہتے استعمال کرتے تھے نقارہ اور ہارس ٹیلز (Horse Tails) چغتائی خاندان کا طرہ امتیاز رہا۔

بادشاہت میں الوہیت

مذہب مافوق الفطرتی قوتوں کی عبادت کا نام ہے لکریش کے خیال میں مذہب کا ماخذ خوف ہے۔ موت کا خوف' اتفاقی واقعات' ناقابل فہم معاملات پر حیرانی ' الٰہی مدد کی امید اور اچھی قسمت کے لئے تشکر نے مذہبی عقیدے کو پیدا کیا۔ غیر متمدن انسان مردے کو زمین میں دفن کرتا تاکہ واپس نہ آسکے۔ وہ لاش کے ساتھ اس کا سامان اور خوراک بھی دفن کر دیتا تاکہ وہ اس کی تلاش میں واپس نہ آجائے اور اسے برا بھلا نہ کہے۔ بعض اوقات اس گھر کو چھوڑ دیا جاتا جہاں موت واقع ہوتی اور اپنے لئے الگ جائے رہائش تلاش کر لی جاتی۔ کئی مقامات پر لاش کو دروازے کی بجائے دیوار میں سوراخ کرکے گزارا جاتا اور تیزی سے گھر کے تین چکر لگائے جاتے تاکہ لاش گھر میں داخل ہونے کا راستہ بھول جائے اور دوبارہ کبھی اس گھر کا رخ نہ کرے۔ ہندوستان کے قدیم اپنشیدوں میں خاص طور پر تاکید ہے کہ کسی انسان کو اونچی آواز دے کر نہ جگاؤ کیونکہ اگر روح واپس جسم میں نہ آسکی تو موت واقع ہو جائے گی۔ نیز تمام چیزوں کی روح ہوتی ہے اور خارجی دنیا زندہ ہے۔ پہاڑ' دریا' چٹانیں' درخت' ستارے' سورج' چاند اور آسمان مقدس اشیاء ہیں۔ کیونکہ وہ داخلی اور غیر مرئی روحوں کی خارجی اور مرئی نشانیاں ہیں۔ قدیم یونانیوں کے لئے آسمان اور لیونس دیوتا تھے۔ چاند "سیلین" تھا۔ زمین "گیا" تھی۔ سمندر "پوزیڈون" اور جنگل "پان" تھا۔ قدیم جرمنوں کے نزدیک پہلا جنگل جنوں بھوتوں' دیووں' چڑیلوں' بونوں اور پریوں سے بھرا پڑا تھا۔ ائرلینڈ کے کاشتکار اب بھی پریوں پر یقین رکھتے ہیں۔

مذہبی عبادت کے مفروضات کی فلکی' ارضی' جنسی' حیوانی' انسانی اور

الہیاتی چھ جماعتیں ہیں۔ ان مفروضات میں سب سے پہلے چاند کی پوجا کی گئی۔ وہ عورتوں کا محبوب دیوتا تھا۔ جس کی وہ اپنے محافظ دیوتا کی حیثیت سے پوجا کرتیں۔ اس کے متعلق عقیدہ تھا کہ یہ موسم کو کنٹرول کرتا' بارش برساتا اور برف باری کرواتا ہے۔ پھر سورج نے آسمانوں کے بادشاہ کی حیثیت سے چاند کی جگہ لے لی اور اس کی حرارت کو زمین میں زرخیزی کی وجہ تسلیم کیا گیا۔ انسان نے اس عظیم کرے کو تمام اشیاء کے باپ کے طور پر پوجنا شروع کر دیا۔ قرون وسطٰی میں سورج پوجا کی نشانی صوفیوں کے سروں پر رکھا نورانی تاج تصور کیا جاتا تھا۔ آج بھی جاپان میں رعایا اپنے بادشاہ کو سورج دیوتا کا تجسیم مانتی ہے سورج اور چاند کی طرح ہر ستارے کو دیوتا مانا گیا جو اپنے اندر مقیم روح کے حکم پر حرکت کرتا تھا۔ آسمان کو عظیم دیوتا تسلیم کیا گیااور اس کی بارش برسانے اور روکنے کی حیثیت سے پوجا کی گئی۔ بیشتر قدیم قومیں آسمان کو ہی دیوتا مانتی تھی۔ لباری اور ڈنکاز میں اس کا مطلب بارش تھا۔ منگول ٹینگری یعنی آسمان کو بڑا دیوتا مانتے تھے۔ چین میں تائی' ایرانیوں میں آھورا ہندوستان میں دیاس پتر اور یونانیوں میں زیوس ناموں سے سورج کی پوجا ہوتی تھی۔ اور اپنی حفاظت کے لئے آسمان سے فریاد کرتے تھے۔ زمین کو بھی دیوتا تسلیم کیا گیا اور درختوں میں انسانوں کی طرح ارواح کا تصور دیا گیا۔ مولوکہ جزائر میں پھلوں اور پھولوں سے لدے درختوں کو حاملہ سمجھا جاتا۔ امبویانہ میں چاول کی فصل کے نزدیک شور مچانے نہیں دیا جاتا تھا۔ قدیم گاؤل بعض مقدس جنگلوں کی پوجا کرتے۔ انگلستان کے ڈریوڈ پادری شاہ بلوط کے درخت کو متبرک سمجھتے جو آج بھی مذہبی رسم کے طور پر رائج ہے۔ بہت سے پہاڑی مقامات مقدس سمجھے جاتے تھے۔ فجیوں کے نزدیک زلزلہ کو دیوتاؤں کا نیند میں کروٹ بدلنا سمجھا جاتا تھا۔ سموا زلزلہ کے وقت جھک جاتے اور دیوتا میفیو سے اس کے رُکنے کی دعائیں کرتے۔ اس طرح زمین کو بھی

عظیم ماں کا درجہ دیا گیا۔

وحشی انسان بیضہ اور نطفہ کے خارجی سٹرکچر کو دیکھتے ہوئے اس کو معبود گردانتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق ان میں روحیں ہوتی ہیں اور ان کی پوجا ضروری ہے بعض جانوروں مثلاً" گائے اور سانپ کو تولید کی الہیاتی قوت کی علامت کے طور پر پوجا جاتا تھا۔ قدیم مصری جواہر سے لے کر ہاتھی تک شاید ہی کوئی جانور ہو جس کی کہیں نہ کہیں دیوتا کے طور پر پوجا نہ کرتے ہوں۔ اجیبوا کے انڈین مخصوص مقدس جانور کو طوطم کا نام دیتے تھے۔ طوطم مت کی مختلف شکلیں شمالی امریکہ کے انڈین قبائل سے امریکہ کے باشندوں تک' انڈیا کے دراوڑ اور اسٹریلیا کے قبیلوں میں پائی جاتی تھیں دنیاداری کے معاملات میں شیر' عقاب' بارہ سنگھا اور ہرن نمائندگی کرتے تھے اور ہاتھی سیاست کا نمائندہ مانا جاتا تھا۔ آغاز عیسائیت کی علاقیت میں فاختہ' مچھلی اور بھیڑ کی پوجا ہوتی تھی۔ طاقتور جانوروں کے غیض و غضب ختم کرنے کے لئے بھی ان کی پوجا ہوتی تھی۔ کئی دیوتاؤں کی شکلیں جانوروں سے ملتی جلتی تھیں۔ ہومر کے دیوتا کی ایک آنکھ الو کی اور ایک گائے کی تھی مصر اور بابل کے دیوتاؤں اور دیویوں کا چہرہ انسانی اور جسم درندوں جیسا تھا۔

شروع شروع میں زیادہ تر انسانی دیوتا مرے ہوئے تصوراتی انسان تھے۔ وہ انسان جو زندگی میں طاقتور تھے مرنے کے بعد پوجے جانے لگے۔ غیر متمدن قوموں میں دیوتا کا مطلب مرا ہوا انسان تھا یونانی اپنے مردوں سے اسی طرح دعا مانگتے ہیں۔ جس طرح عیسائی اپنے اولیاء سے مانگتے تھے۔ مردہ لوگوں کی حیات مسلسل کے متعلق عقیدہ اتنا مضبوط تھا کہ غیر متمدن لوگ باقاعدہ پیغام رسانی کرتے تھے۔ بھوتوں کی پرستش قدماء کی عبادت تھی۔ تمام مردہ لوگوں سے خوف کھایا جاتا اور انہیں راضی کیا جاتا ورنہ وہ لعنت بھیج کر زندہ لوگوں کی زندگی جہنم بنا دیتے۔ اس عقیدہ کی نمو مصر' یونان

اور روم میں ہوئی اور آج بھی چین اور جاپان میں موجود ہے۔

مبہم اور بے شکل ارواح کے خوف اور عبادت سے انسان آسمانی، نباتاتی اور جنسی قوتوں کی پرستش کی طرف راغب ہوا۔ اس کے بعد جانوروں کی پوجا اور پھر اجداد پرستی شروع ہو گئی۔ خدا کا تصور بطور باپ اجداد پرستی سے ہی ماخوذ ہے۔

ارواحیت کی ابتداء غیر متمدن مذہب کی روح تھی۔ اس کے ساتھ جادو کا اضافہ ہوا۔ بارش گرانے کے لئے جادوگر درختوں سے پانی گراتے۔ قحط کے خوف سے کھلی چھتری کے ساتھ کھیتوں میں جانے کو کہا جاتا۔ سمارٹا میں بانجھ عورت حاملہ ہونے کی امید میں بچے کا پتلا بنا کر گود میں لیتی۔ بورنیو کے ڈیاکوں جادوگر حاملہ عورت کی بجائے خود دردِ زہ سے گزرتا۔ بعض اوقات جادوگر اپنے پیٹ سے آہستہ آہستہ پتھر گراتا تاکہ بچہ اس کی نقل کرتا ہوا باہر آجائے۔ قرون وسطیٰ میں موم کی مورتی میں سوئیاں چبھو کر جادو کیا جاتا۔ پیرووین انڈین لوگوں کے پتلے جلاتے اور روح کا جلنا قرار دیتے۔ حتیٰ کہ یہ دور بھی غیر متمدن دور کے جادو سے خالی نہیں ہے۔

زمین کی زرخیزی کے لئے اعضائے تناسل کو بھون کر اس کا سفوف کھیتوں میں چھڑکا جاتا یا پھر سرعام شادی کی جاتی تاکہ زمین توجہ دے اور زیادہ پیداوار دے۔ جاوا کے کاشتکار کھیتوں میں مباشرت کرتے تاکہ چاول کی فصل زیادہ ہو۔ بیجائی کے موسم میں آزاد مباشرت کے میلے لگتے تھے تاکہ زمین زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرے تاریخی تہذیب میں یونانیوں میں بیکس کے تہوار، روم کا سٹیرنیلیا کا تہوار، قدیم فرانس کا فیتے ویس فاؤں کا تہوار انگلستان کا یوم مئی ایسے ہی تہواروں سے متشابہ ہیں۔

انسانی قربانی ہر جگہ اور ہر قبیلہ میں موجود تھی۔ رہوڈیشیا میں اب بھی یہ رسم موجود ہے۔ بعد میں انسانوں کی جگہ جانوروں کی قربانیاں دینے کا

رواج ہوا۔ انسان قربانی کے قابل خورد حصے خود کھاتے اور صرف انتڑیاں اور ہڈیاں بھینٹ چڑھاتے تھے۔

جادو کا آغاز توہم سے اور اس کا اختتام سائنس پر ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ جادو سے ڈرامہ اور سائنس پیدا ہوئی۔ اور جادو نے طبیب' کیمیادان' دھات کار اور ہیت دانوں کو جنم دیا۔ جب مذہبی رسومات عام آدمی کی اہلیت سے بڑھ گئیں۔ تو ایک طبقہ نے زیادہ وقت مذہبی وظائف اور رسومات کے لئے وقف کردیا۔ اس خاص طبقہ نے مذہب کو بالکل اس طرح استعمال کیا جس طرح ایک سیاستدان انسانوں کی نفسیاتی ہیجانات کو استعمال کرتا ہے۔

بادشاہ کی اولین حیثیت انسانی معاشرہ میں ایک ساحر یا جادوگر کی تھی جو معاشرے میں سب سے زیادہ اہم فرد سمجھا جاتا تھا۔ اس تصور نے کہ وہ الہٰی اور روحانی قوتوں کا مالک ہے اس کی ذات کو مقدس اور الوہی قرار دیا اس کے گرد تقدس' پاکیزگی' احترام اور عقیدت کا ایک ہالہ بن گیا۔ اس کی ذات سے معاشرہ کی خوشحالی یا بدحالی کو منسوب کیا جانے لگا۔ اور اس کا درجہ دیوی یا دیوتا کے نمائندہ کا ہو گیا۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو چاند اور سورج کا بیٹا سمجھتا تھا جو اس وقت فطرت کی پراسرار قوتیں تھیں۔ چنانچہ پیرو کے بادشاہ خود کو سورج کا بیٹا کہلواتے تھے۔ میکسیکو کے بادشاہ موٹیز یوما کو دیوتا کی طرح پوجا جاتا تھا۔ بابل کے سلاطین چوتھی سلطنت تک خدائی کا دعویٰ رکھتے تھے ارساسی بادشاہ چاند کا بھائی کہلواتے تھے۔ مصر کے بادشاہ کو خدا مانا جاتا تھا اور اسے قربانیاں پیش کی جاتی تھیں ان کے القابات سورج دیوتا سے ماخوذ تھے۔ ہندو مہاراجہ کو کرشن کا نمائندہ سمجھتے اور ان کے شاستروں میں بادشاہ کو دیوتا کا درجہ دیا جاتا تھا ایرانی بادشاہ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے اور اسے پیدائشی طور پر عظمت و تقدس کا دیوتا سمجھتے تھے۔ بادشاہ کو ارواح بد اور سحر و جادو سے محفوظ رکھا

جاتا تھا جو بعد میں اسے مافوق الفطرت ہستی بنانے میں مدد گار ثابت ہوا۔ بادشاہ کا خون مٹی میں ملانا تباہی کا باعث تصور ہوتا تھا۔ منگولوں میں رواج تھا کہ بادشاہ کو قالین میں لپیٹ کر مارتے تھے۔ بادشاہ زمین پر قدم نہیں رکھتا تھا۔ انہیں اصل نام کی بجائے صرف شاہی القابات اور خطابات سے پکارا جاتا تھا۔

بادشاہ کو سحری اور مافوق الفطرت خیال کرتے ہوئے ان سے توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ زمین کو سرسبز رکھیں اور اپنی رعایا کو نعمتیں فراہم کریں۔ یونان میں عقیدہ تھا کہ بادشاہ اور اس کی ہر چیز بابرکت اور مقدس ہوتی ہے اور ایک اچھے بادشاہ کے دور میں برکتیں نازل ہوتی ہیں ان خصوصیات نے بادشاہ کی شخصیت کو روحانی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے اعلیٰ و افضل بنا دیا۔ اور اس کی ذات ایک دیوتا کی شکل اختیار کر گئی۔ جس کے اعزاز میں مندر بنائے جاتے اور ان کی پوجا ہوتی اور اس کے نام پر قربانی دی جاتی۔ عقیدت کے طور پر نذر و نیاز اور نذرانے پیش کیۓ جاتے۔ بادشاہ کی ذات کو اسقدر مقدس اور پاکیزہ خیال کیا جاتا کہ اس کے خلاف سوچنا اور بغاوت کا خیال کرنا بھی جُرم سمجھا جاتا تھا۔بادشاہ کے لئے مخصوص آداب میں بھی الوہی حثیت کی جھلک ہوتی تھی۔ بادشاہ کے ہاتھ پاؤں اور اس کے جوتے کو چومنا۔ گھٹنوں کے بل جھکنا' سجدہ کرنا او اس کی موجودگی میں ہاتھ باندھ کر خاموشی سے کھڑے ہونا ضروی خیال کیا جاتا تھا۔ درباری دربار میں داخل ہوتے وقت اپنی آستین سے سفید رومال نکال کر منہ کے آگے باندھ لیتا تھا۔ تخت کے قریب آکر زمین پر گر پڑتا اور جب تک بادشاہ اٹھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ اس حالت میں پڑا رہتا تھا۔ اٹھنے کے بعد انتہائی تعظیم سے سلام کرتا۔ اور بات کرنے سے پہلے وہ بادشاہ کے لئے دعائیہ جملے ادا کرتا تھا۔

اہل ایران اپنے بادشاہ کو عام انسان کی بجائے مافوق البشر سمجھتے تھے

اور ان کا عقیدہ تھا کہ بادشاہ خدائی صفات و اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور خدا کی طرف سے حکومت کے لئے مامور ہوتا ہے۔ وہ زمین پر خدا کا سایہ اور اس کا نمائندہ ہوتا ہے۔ وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا اور لوگوں پر ان کے ہر حکم کی اطاعت لازمی ہوتی ہے۔ ساسانی بھی اپنے شہنشاؤں سے تعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے۔

اسلام میں بادشاہ کے تصورات و نظریات بازنطینی اور ایرانی اثرات سے آئے۔ عباسی دور میں ایرانی ترتیب و تنظیم کے باعث ایک طرف مذہبی علماء اور دوسری طرف امرا و وزرا نے خلافت و بادشاہت کو اپنے اپنے نظریات میں ڈالنے کی کوشش کی۔ علماء چاہتے تھے کہ بادشاہ کی لا محدود طاقت کو کم کرکے شریعت کو بالادست کیا جائے۔ جبکہ امراء و وزرا چاہتے تھے کہ بادشاہ کو لامحدود طاقت اور اختیارات دیئے جائیں۔ لہٰذا طے پایا کہ حکمران شریعت میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہو گا مگر انتظامی امور میں لا محدود طاقت استعمال کر سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس اعلان کے باوجود کہ شریعت کی بالادستی قائم رکھی جائے گی بادشاہ من مانی کرتے رہے اور شریعت کے احکام کی پروا نہ کی۔ ایرانی تصور حکومت کے مطابق شاہی خطابات' آداب' رسومات' جلوس' انعامات دینے کے دستور' صدقہ و خیرات کی روایات' بادشاہوں کے قصیدے اور ان کے مرنے کے بعد یادگار کے طور پر عالیشان مقبروں کی تعمیر کی روایات قائم ہوئیں۔ اس دور میں مسلمانوں میں بھی یہ عقیدہ اپنایا جا چکا تھا کہ بادشاہ اپنی خود مختاری کی سند براہ راست خدا سے لیتے ہیں اور وہ دنیا میں خدا کا نائب اور ظل اللہ ہوتے ہیں۔ الوہی ہونے کے تصور کے باعث بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنا' گھٹنوں کے بل جھکنا اور اس کے ہاتھ پاؤں چومنا مسلمان حکمران کے دربار میں عام تھا۔

ایرانی نظریہ بادشاہت میں دنیاداری اور شریعت علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں

اور حکمران کے لئے بہت مشکل ہے کہ شریعت کے مطابق حکومت کر سکے۔ بادشاہت اس وقت تک قائم نہیں رہی سکتی جب تک بادشاہ شان و شوکت سے نہ رہے اور اسی شان و شوکت سے ہی مسلمان حکمران قرآن کی عظمت' اسلام کی برتری اور دینی احکام کا نفاذ کر سکتا ہے۔ ہندوستان میں بلبن نے جو بادشاہت کا نظریہ اپنایا تھا وہ مطلق العنانیت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس کے نظریہ بادشاہت کی بنیاد تخلیق ربانی کا نظریہ تھا وہ کہا کرتا تھا کہ بادشاہت اللہ تعالی کی تخلیق ہے اور صرف اسی سے ہی حاصل کی جاتی ہے۔ بادشاہ زمین پر خدا کا نائب ہے۔ بادشاہ کا دل خدا کی عظمت و بزرگی کا مظہر ہے۔ خالق نے مخلوق کے لئے اس کے احکام کی پابندی لازمی قرار دی ہے۔ اور رسالت کے بعد بادشاہت لوگوں کی خدمت کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ بلبن بادشاہت کے فرائض میں مذہب کا تحفظ اور شریعت کا نفاذ لازمی قرار دیتا تھا۔

علاؤالدین خلجی بھی اپنے آپ کو کرہ ارض پر اللہ تعالیٰ کا نمائندہ سمجھتا تھا وہ اس امر کا یقین کی آخری حد تک قائل تھا کہ بادشاہ کو دوسرے انسانوں کی نسبت عقل سلیم کا وافر حصہ ملتا ہے۔ اس لئے اس کی مرضی کو قانون کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ بادشاہت کے نزدیک رشتہ داری ہیچ ہے اور ملک کے جملہ باشندے یا تو رعایا ہیں یا پھر خادم۔ علماء کے متعلق اس نے اپنی پالیسی واضع کرتے ہوئے کہا کہ میں قانون اور لاقانونیت کا قائل نہیں ہوں۔ جو کچھ ملک کی بہتری اور ہنگامی حالات کے لئے موزوں سمجھتا ہوں' کرونگا۔ قیامت کے دن مجھ سے کیا سلوک ہوتا ہے کچھ معلوم نہیں۔اس نے حکومت کو سیکولر نظریہ کے تحت استوار کیا وہ حق بادشاہت کی توثیق کے لئے سند خلافت کا قائل نہ تھا۔ اس کی حکمرانی میں یہ اصول واضع تھا کہ سلطنت کا معاملہ الگ ہوگا اور شریعت کا الگ اور سلطنت شریعت کی پابند نہیں ہوگی۔ مغل بادشاہ شریعت کو بالاتر

ہستی تسلیم کرتے ہوئے ایسے خطابات اختیار کرتے تھے جن سے وہ اسلام کے محافظ' دفاع کرنے والے اور قوت پہنچانے والے ظاہر ہوں۔ بابر اپنے نام کے ساتھ ظہیرالدین (دین کو قوت بخشنے والا)' ہمایوں اپنے نام کے ساتھ ناصرالدین (دین کی حمایت کرنے والا) اور محمد اکبر اپنے نام کے ساتھ جلال الدین (دین کی عظمت) استعمال کرتا تھا۔ لیکن سلطنت کے معاملات میں خود کو تمام مذاہب کے لوگوں کا محافظ سمجھتے تھے۔

مغلوں نے سلاطین دہلی کے دور میں درباری روایات و رسومات میں چنگیزی روایات کو شامل کیا۔ ان کے دربار میں ایرانی اثرات ایرانی امرا کے ذریعہ صفوی دور حکومت میں آئے۔ پھر جب راجپوت امرا حکومت میں شامل ہوئے تو ان کے اثرات بھی مرتب ہوئے اور تبدیلیاں آئیں۔ اکبر نے جب دربار میں سجدہ کی رسم شروع کی تو علماء وقت نے اسے نہ صرف غیر اسلامی کہا بلکہ زبردست احتجاج کیا۔ لیکن درباری علماء نے اسے دوسرا رنگ دیتے ہوئے صحیح قرار دیا اور کہا کہ : یہ سجدہ صرف ادب و احترام کی علامت ہے اور یہ سجدہ دراصل بادشاہ کو نہیں بلکہ خدا کے لئے ہے۔

محضر کا اجراء اور دین الٰہی کی ابتداء

دنیا تاریخ میں سولھویں صدی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس صدی میں بڑی بڑی تحریکوں نے جنم لیا۔ جن میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ اسلام میں مہدی تحریک چین میں منگ ریوایول انڈیا میں صوفی اور بھگتی تحریکیں شامل تھیں۔ اس صدی میں فرانس میں Boarbons سپین اور آسٹریلیا میں Haps-burges پروشیا میں Hohenzollerns ترکی میں عثمانی (Osmanlis) مصر میں Mamluks فارس میں صفوی (Safvies) Tran Soxiana میں Sahabanids چین میں منگ Mings اور انڈیا میں تیموری حکومتیں تھیں۔ انگلینڈ میں ہنری viii اور الزبتھ' فرانس میں ہنری iv پروشیا میں فریڈرک ولیم' آسٹریا میں Sigismund سپین میں فلپ II ترکی میں سلیمان' پرشیا میں شاہ اسماعیل صفوی اور شاہ طہماسپ Transoxiana میں 'Sahahani khan چین میں ینگ لو اور ہندوستان پر بابر اور اکبر جیسے حکمران رہے۔ جن میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی تھی۔ سولھویں صدی میں ہندوستان' ایران اور مصر پر جن حکمرانوں نے حکومت کی ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ہندوستان کے تیموری سلطان

بابر	1526ء	تا	1530ء
ہمایوں	1530ء	تا	1540ء
شیرشاہ سوری	1540ء	تا	1555ء
ہمایوں	1555ء		

ایران کے شیعہ شاہ

شاہ اسماعیل	1502ء	تا	1524ء

شاہ طہماسپ 1524ء	تا	1576ء
اسماعیل ثانی 1576ء	تا	1578ء
محمد خداوند 1578ء	تا	1587ء
شاہ عباس 1587ء	تا	1629ء

سنی خلفاء

خلیفہ سلیم 1512ء	تا	1520ء
خلیفہ سلیمان 1520ء	تا	1566ء
خلیفہ سلیم 1566ء	تا	1574ء
خلیفہ مرادIII 1574ء	تا	1595ء
خلیفہ محمد III 1595ء	تا	1603ء

اکبر اسی سولھویں صدی میں 949ھ میں سندھ میں امرکوٹ کے مقام پر پیدا ہوا۔ وہ ابھی ایک برس کا بھی نہ تھا جب اسے اس کی والدہ سمیت عسکری مرزا نے ہیجز کے مقام پر گرفتار کر لیا اور قندھار لے گیا۔ جب ہمایوں نے قندھار پر حملہ کیا تو عسکری مرزا نے اکبر کو اپنے بھائی کامران کے پاس کابل بھیج دیا اور جب ہمایوں نے کابل فتح کیا تو اس وقت اکبر دو برس دو مہینے اور آٹھ دن کا تھا۔ ہمایوں نے بڑی طویل جدوجہد کے بعد 1555ء میں دوبارہ سلطنت دہلی پر قبضہ کیا۔ اس وقت اکبر کی عمر 13 برس آٹھ ماہ تھی ہمایوں کو لاہور میں جب علم ہوا کہ سکندر سور 80 ہزار افغانوں اور پٹھانوں کے لشکر کے ساتھ سرہند میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے تو اس نے کمسن اکبر کو سپہ سالار بناکر اس کے مقابلے میں بھیجا۔ اکبر نے کمسن ہونے کے باوجود میدان جنگ میں بڑے جوہر دکھائے اور آخری معرکہ اسی کے نام پر فتح ہوا۔ اکبر نے فتح کے بعد اپنے آباؤاجداد کے قدیمی دستور کے مطابق باغیوں کے سروں کا کلہ مینار بطور یادگار بنایا۔

ہمایوں کو موت نے حکومت کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور اکبر کو 16 سال کی عمر میں ہی ایک ایسی بڑی سلطنت سنبھالنی پڑی جس میں آل تیمور کے ظاہری اور پوشیدہ بے شمار دشمن موجود تھے۔ اور کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ سلطنت سنبھالتے ہی 1556ء میں اسے پانی پت کی جنگ لڑنی پڑی جس میں بیرم خان کی جنگی صلاحیتوں کے علاوہ اس کی اپنی قسمت نے بھی ساتھ دیا۔ اکبر ابھی جالندھر میں سکندر سور سے لڑ رہا تھا کہ ہیمو بقال نے آگرہ میں سکندر خان ازبک اور دلی میں تردی بیگ کو شکست فاش دی اور آخری فتح حاصل کرنے کے لئے 20 ہزار پٹھانوں کے ساتھ پانی پت کے میدان میں آپہنچا۔ اکبر نے کمسن ہونے کے باوجود اپنے امرا کا حوصلہ بلند رکھنے کے لئے "تخت یا تختہ" کا نعرہ لگایا اور بیرم خان سے مل کر جنگی حکمت عملی طے کی پہلے کانگڑہ کے راجہ، راجہ رام چندر کی بغاوت کو فرو کیا اور پھر علی قلی خان کو ہراول دستے کے طور پر مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اکبر اپنے لشکر کے ساتھ ابھی پانچ کوس دور تھا کہ ہیمو بقال اور محمد علی قلی خان کے درمیان جنگ ہوگئی۔ اکبر نے ابھی رکاب میں رکھے پاؤں کو مہیز کے لیے جنبش بھی نہ دی تھی کہ جنگ جیتی جا چکی تھی۔ ہیمو بقال کو جب سامنے لایا گیاتو صدر الصدور شیخ گدائی نے اسے قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ اکبر نے اس موقعہ پر کہا کہ" مرتے کو مارنا کوئی بہادری نہیں ہے"۔اس فتح کے باوجود سلطنت دہلی کے حالات سنگین صورت حال اختیار کئے ہوئے تھے۔ کشمیر خود مختار ہو چکا تھا۔ راجپوت سردار اقتدار پر قبضہ کرنے کی تلاش میں تھے۔ گجرات اور مالوہ پر ایک ہی شاہی خاندان کی حکومت تھی۔ بہمانی (Bahmani) اور وجے نگر کی حکومتیں سلطنت دہلی کی پرواہ نہیں کرتی تھیں بنگال پر کرانی Kararni اور لوہانی Lohani افغان قابض تھے اور وہ دہلی حکومت سے معمولی رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ شہنشاہ ایران اپنی اجارہ داری برقرار رکھنے کے لئے اکبر کو اپنا

نائب تصور کرتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ تمام اس کمسن بادشاہ کی تخت سے دستبرداری کا منظر دیکھنے کے لئے بیتاب تھے۔ لیکن ان کٹھن اور مشکل حالات میں بیرم خان نے اکبر کا پورا پورا ساتھ دیا اور اکبر اپنی خداداد صلاحیتوں اور اس مردِ آہن کی انتظامی اور عسکری حکمت عملی کی بدولت ہر مشکل پر قابو پاتا چلا گیا۔

جغرافیائی لحاظ سے ایرانی مسلمانوں کا تیموری خاندان پر کابل سمرقند اور ہندوستان میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ تیمور کی موت کے بعد اس کے جانشین ایران اور بغداد پر اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکے لہٰذا ایران کے شیعہ اور بغداد کے سینوں میں ٹھن گئی۔ ایران میں شاہ اسماعیل صفوی کی حکومت تھی۔ شاہ اسماعیل نے ایران پر 1502ء سے 1524 تک حکومت کی۔ اس نے شیعہ مسلک کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ جس پر وہ مصاحین جو شیعہ مسلک کو پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے سنی خلیفہ سلیم (Salim the Grim) سے رابطہ کیا۔ باقاعدہ جنگ ہوئی جس میں شاہ اسماعیل کو شکست ہوئی۔ خلیفہ سلیم (Salim the Grim) نے مصر میں عباسیہ خاندان کو بھی 1513ء میں شکست دیکر خلافت خاندان عثمانیہ کے سپرد کر دی۔

بابر نے سمر قند کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے 1510ء اور 1512 کے درمیان شیعہ مسلک کا اعتراف کیا۔ اس وقت شاہ اسماعیل ابن سلطان حیدر، ابن سلطان جنید، ابن سلطان شیخ صدرالدین، ابن ابراہیم، ابن شیخ علی خواجہ، ابن شیخ صدرالدین، ابن شیخ صفی الدین ابو اسحاق ایران کا بادشاہ تھا۔ تیمور خان اس صفوی خاندان کا بے انتہا احترام کرتا تھا اور اسی لحاظ سے صفوی خاندان بھی تیمور کی آل کا خیال کرتے تھے۔لیکن شاہ اسماعیل کی شکست کے بعد بابر نے اپنے آپ کو مضبوط کرتے ہوئے اپنا لائحہ عمل تیار کیا۔ ہندوستان سے شیعہ مسلک کے متعلقہ سکوں کو ختم کر دیا اور

اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا۔ سکوں کو ختم کرنے کا مطلب تھا کہ وہ شاہ ایران کے تابع نہیں رہا ہے اور اپنے نام کا خطبہ شروع کرانے کا مطلب تھا کہ وہ سنی خلیفہ کی دسترس سے باہر ہے۔

اس طرح جب ہمایوں کی قسمت نے ساتھ چھوڑ دیا تو اس نے بھی شاہ ایران طہماسپ سے شیعہ خلعت قبول کی - اور شاہ ایران کے دربار میں بطور مصاحب کام کرتا رہا۔ اور جب وہ شاہ ایران کی مدد سے دوبارہ برسراقتدار آیا۔ تو اس نے اپنے دور حکومت میں قزلباشوں اور عراقیوں کو بے انتہا نوازا۔

ہمایوں جب فوت ہوا تو شاہ ایران نے سلطنت ہندوستان پر اس وجہ سے کوئی خاص توجہ نہ دی تھی کہ اس کا قابل اعتماد بیرم خان جو کہ شیعہ تھا اکبر کا اتالیق تھا۔

بیرم خان ابن سیف علی بن یار علی بن شیر علی قبیلہ قراقو بیلو سے تعلق رکھتا تھا اس کا والد غزنہ میں سلطان بابر کی طرف سے گورنر تھا۔ بیرم خان نے بلخ میں نشوونما پائی اور بادشاہ ہمایوں نے اسے اپنا معتمد کلی مقرر کیا۔ 946ھ میں سلطان ہمایوں نے اپنے بھائی ہندال مرزا کی سرکوبی کے لیئے جب آگرہ کا رخ کیا تو شیر شاہ سوری دونوں کے درمیان حائل ہو کر چوسہ کے مقام پر ہمایوں سے ٹکرا گیا۔ گھمسان کا رن پڑا زمین خاک اور خون سے اٹ گئی اور آخر کار ہمایوں کو شکست ہوئی۔ 947ھ میں شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو قنوج کے مقام پر شکست دیکر پہلے لاہور اور پھر سندھ میں دھکیل دیا۔ اور یہیں امر کوٹ کے مقام پر اکبر کی پیدائش ہوئی۔ ہمایوں کے اس دور گردش میں 950ھ میں بیرم خان نے سلطان ہمایوں کو بحری راستہ سے ایران جانے کا مشورہ دیا اور خود بھی سلطان کے ساتھ ایران چلا گیا۔ قندھار کی فتح کے بعد بیرم خان ہمایوں سے پشاور میں ملا۔ جہاں ہمایوں نے اسے خان خاناں کا خطاب دیا جس کے معنی امیرالامرا

کے ہیں۔ ہمایوں نے جب دوسری مرتبہ ہندوستان کے کچھ علاقوں کو زیرنگیں کیا تو بیرم خان کو سنبھل اور سرہند میں جاگیر عطا کی۔

ہمایوں کی رحلت کے بعد جب اکبر صغر سنی میں تخت نشیں ہوا تو بیرم خان نے نائب کی حیثیت سے پورے ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں سنبھال لی۔ بیرم خان بڑا بہادر اور سخی تھا۔ ہمایوں اور اکبر نے اسے مالیات سرکاری کا نگران مقرر کر رکھا تھا۔ سلطان ہمایوں نے اسے بعض صوبوں کی سربراہی بھی سونپ رکھی تھی۔ وہ جتنا بڑا جرنیل تھا اتنا ہی بڑا سیاستدان تھا۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو سلجھانے میں دسترس رکھتا تھا۔ وہ ملک کے گرد و پیش کی رعایا کے احوال سے بھی پوری طرح آگاہ رہتا تھا۔ ان اوصاف کے ساتھ ساتھ وہ ادب و مطالعہ کتب و تاریخ اور اہل فضل و کمال کا قدر دان تھا۔ وہ ترکی فارسی میں بہترین شعر بھی کہتا تھا۔ اس کا شعر ہے کہ

شے کہ بگزرد از نہ شہر افراد
اگر غلام نیست خاک بر سراد

چار برس تک بیرم خان چھایا رہا اور سلطنت میں اس کے بلاواسطہ احکام جاری ہوتے رہے۔ امراء اور حرم میں اس کی زبردست مخالفت موجود تھی اور سب سے زیادہ مخالفت ماہم آتکہ اور اس کا بیٹا اودھم خان کرتے تھے۔ اکبر ماہم آتکہ کا بڑا ممنون تھا۔ لیکن اس درباری سیاست کو بھانپتے ہوئے اکبر نے 968ھ میں تمام کاروبار سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ اس وقت سارا ہندوستان فتح نہ ہوا تھا پورب میں شیر شاہ سرکش موجود تھے اور تمام راجے مہاراجے خود مختار بنے ہوئے تھے۔ لٰہذا اکبر نے پہلے مالوہ کو فتح کیا۔ پھر کالپی سے الہ آباد کا رخ کیا اور کڑہ مانک شاہ کو فتح کیا 970ھ میں دلی واپس آکر سلطان نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی۔ اور واپسی پر گجرات کو فتح کیا۔

اکبر ماہم آتکہ کی بڑی عزت کرتا تھا اور اسے مادر کہہ کے پکارتا تھا اسے جب ایک سال کی عمر میں اس کے چچا نے گرفتار کیا تھا تو وہ ماہم آتکہ کی گود میں تھا اور جب سوا برس کا ہوا تو اسی ماہم آتکہ نے مرزا عسکری سے پاؤں چلنے کی رسم ادا کرنے کی ضد کی تھی اکبر کہا کرتا تھا کہ ماہم کا اس رسم کے لیے اصرار کرنا اور عسکری کا عمامہ پھینکنا اسے اچھی طرح یاد ہے۔ 954ھ میں جب ہمایوں نے کابل کا محاصرہ کیا اور گولے برسائے تو کامران نے اکبر کو اس مورچے پر بٹھا دیا جس پر شدید گولا باری ہو رہی تھی۔ اکبر اس وقت پانچ برس کا تھا اور ماہم آتکہ نے اسے اپنی گود میں چھپایا ہوا تھا۔ اکبر کے بادشاہ بننے پر ماہم آتکہ اور اس کا بیٹا ادوھم خان بیرم خان کے سخت دشمن بن گئے اور انہوں نے پرانے خوانین امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ماہم آتکہ نے بیرم خان کے خلاف حرم میں خود کو پس پردہ رکھتے ہوئے ایک سازش تیار کی اور اپنے غیر معروف بیٹے ادھم خان کو آگے لانے کی کوشش کی۔ حرم میں اس سازش کے نتیجہ میں 972ھ میں اکبر اور بیرم خان میں شدید اختلافات پیدا ہوئے۔ یہاں تک کہ فریقین میں لڑائی کی نوبت آگئی۔ اکبر نے اپنے ایک معتمد شمس الدین اتکہ کو بیرم خان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ بیرم خان مقابلے کی بجائے سلطان سے معافی کا خواستگار ہوا۔ سلطان نے اسے فوری طور پر حجاز چلے جانے کا حکم دیا۔ جس کی تعمیل میں جب وہ فتن پہنچا تو ایک افغان نے اسے قتل کرکے شیخ حسام الدین ملتانی کے خطیرے میں دفن کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس کی میت کو پہلے دہلی اور مشہد میں روضہ حضرت امام رضا کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا۔

بیرم خان کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جاگیرداروں' ضدی سرکش سرداروں' جرنیلوں اور رشتہ داراوں نے سر اٹھانے شروع کر دیئے۔ اکبر کے لئے یہ وقت بڑا مشکل تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کس پر

اعتبار کرے اور کس پر نہ کرے۔ ایک معمولی شکست پورے ملک میں بغاوت کا سبب بن سکتی تھی۔ ایک سیاسی غلطی اسے مخلص دوستوں سے دور لے جا سکتی تھی۔ ایک غلط قدم اسے اقتدار سے الگ کر سکتا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ افغان اس جیسے کمسن حکمران کی ماتحتی مشکل سے قبول کریں گے اور ترک و منگول سپاہی جو اس کے دادا کے ساتھ آئے تھے ایک کم عمر ناتجربہ کار کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ اس کی خوش بختی تھی کہ اس وقت اس کے تمام دشمن ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کر کے انفرادی طور پر اقتدار تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لٰہذا اکبر کے لئے ان حریفوں پر ایک ایک کر کے قابو پانا آسان ہو گیا۔

اکبر کے ذہن میں اپنے دادا کی نصیحت تازہ تھی جو انہوں نے اپنے بیٹے ہمایوں کو ہندوستان کی مہمات کے دوران کی تھی کہ "بیٹے ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں خبردار تمہارے فیصلوں پر مذہبی تعصب اثر انداز نہ ہو بلکہ انصاف کرتے وقت تمام مذاہب کا احترام اور لوگوں کی مذہبی رسومات کا خاص خیال رکھنا۔ گائے کو ذبح نہ کرنا اور غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو کبھی مسمار نہ کرنا اسلام کی اشاعت تلوار سے زیادہ اخلاق اور محبت سے کرنا۔"

اکبر کے سامنے شیر شاہ سوری کا دور بھی تھا۔ جس میں ملکی نظم و نسق چلانے اور ہندوستان کے خصوصی حالات کے پیش نظر مذہبی رواداری کی پالیسی اپنائے ہوئے مسلمانوں کو ہندوستانی بنایا۔ اکبر نے جب سلطنت دہلی پر قبضہ کیا تو اس وقت مسلمانوں کی اس حکومت میں ہندو قریب قریب ہر شعبہ میں موجود تھے۔ بہت سی ہندوؤآنہ رسومات و روایات مسلمانوں میں شامل ہو چکی تھیں۔ جو کہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف تھیں۔ جیسے دل کا حال جاننا' جادو' رمل' شگون اور خوابوں پر مکمل یقین شامل تھا۔ ہمایوں نے سامعین کے لئے جو ہال تعمیر کروایا تھا۔ اس کے سات کمرے

سات ستاروں کے نام پر رکھے گئے تھے وہ ان کمروں کو ستاروں کی چالوں کے مطابق استعمال کرتا تھا۔ تہذیب و تمدن، رہن سہن، معاشرتی اور سیاسی طور پر یہ لوگ تقریباً" اکٹھے ہو چکے تھے۔

اکبر کے لئے ہر وہ شخص چاہے مسلمان ہو یا ہندو دشمن تھا جو سلطنت کے مفاد کے خلاف کام کرتا تھا۔ لوگوں کو بلبن کی سزائیں اور علاؤالدین کے خلاف بغاوت کے رد عمل میں پورے خاندان کی تباہی و بربادی یاد تھی۔ مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار کر تاج و تخت حاصل کرنا ترکوں اور افغانوں کا عام وطیرہ تھا۔ لیکن اکبر فطری طور پر فراخ دل اور کھلے ذہن کا مالک تھا۔ جب وہ بیس سال کا تھا تو اس نے جزیہ اور یاترا ٹیکس معاف کر دیئے۔ مالوہ میں باز بہادر کے خاندان سے ادھم خان کی بدتمیزی پر سزا اور پیر محمد کے قتل کے حکم نے مخالفوں پر بڑا گہرا اثر چھوڑا اور وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ کوئی اعلیٰ عہدہ دار بھی انصاف سے دور نہیں ہے۔ سیاسی رواداری بعد میں مذہبی رواداری میں تبدیل ہو گئی۔ ایک ہندو گھر میں پیدائش، حرم میں ہندو بیویوں کا پیار، ہندو جرنیلوں کا بہترین کردار اور رانی Wansal کا خوبصورت واقعہ جب وہ ہمایوں کو اپنا بھائی بناتی ہے اکبر کے دماغ پر گہرے اثرات مرتب کر گئے تھے۔ وہ جان چکا تھا کہ انسانی ہمدردی اور دوستی غیر مسلموں میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

اکبر نے اپنی ابتدائی زندگی ایران کی خوبصورت سر زمین اور اس کے اعلیٰ حکمرانوں کے درمیان گزاری۔ ایران کا مسلک شیعہ تھا جو آہستہ آہستہ اس کے استادوں اور ایران شاعری کے ذریعہ اس کے دماغ میں سرایت کرتا رہا۔ اس کے استاد شاہ عبدالطیف اور ان کی تعلیمات "صلح کل" کا اس پر بہت اثر تھا۔ اس کی اس ابتدائی ایرانی زندگی کے اثرات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے گئے۔ سیاسی رواداری اور شیعہ

مسلک کی جانب رجحان کے باعث وہ بزرگان دین کے درباروں کی زیارت اور ان کی روحوں سے امداد طلب کرتا تھا (جیسا کہ وسطی ایشیا کے تیمور اور منگول کیا کرتے تھے) چتوڑ کی جنگ کے دوران اس نے حضرت معین الدین چشتیؒ کے مزار کی زیارت کی منت مانی۔ چتوڑ کی فتح کے بعد وہ واقعی 220 میل کا سفر کر کے منت اتارنے کے لئے اجمیر شریف پہنچا۔

اکبر کا تجسس اسے مجبور کرتا تھا کہ وہ تنہائی میں "یا ہو یا ہادی" کا ورد کرتا رہے۔ درباریوں کے مطابق اکبر فطری طور پر ذکر الٰہی میں غرق رہنے کا عادی تھا اور وہ اکثر ایک پتھر پر بیٹھے مراقبہ کی حالت میں دیکھا گیا۔ ابوالفضل کے مطابق جب اکبر صرف 16 سال کا تھا تو 1557ء میں اسے ایک کسی پر اسرار قوت کی موجودگی کا احساس ہوا۔ تو اس نے چلانا شروع کر دیا اور وہ گھوڑے سے اتر کر مراقبہ کے انداز میں خدا سے ہمکلام ہو گیا۔ 1561ء میں جب وہ بیس سال کا تھا تو روحانی کیفیت کی کمی اورسفر کے دوران صدمات کے باعث اس کا دل بند ہو گیا۔ یہ واقعہ صوفی برادران کی ملاقات سے بہت قبل رو پذیر ہوا۔ اس کا تو سیع پسند ضمیر ہمیشہ اپنے آپ میں پھیلاؤ چاہتا تھا۔

اکبر 22 سال کا تھا جب اس کے دونوں بیٹے حسن اور حسین فوت ہو گئے۔ اسے نرینہ اولاد کی خواہش تھی۔ جس کی تکمیل کے لئے وہ اجمیر شریف اور دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دیتا اور دعائیں مانگتا۔ حضرت سلیم چشتی جو اس وقت فتح پور میں مقیم تھے کی دعا سے ایک ہندو بیوی جودھا بائی حاملہ ہوئی۔ اکبر نے اسے حضرت سلیم چشتی کی خانقاہ میں بھجوا دیا اور وہیں ان کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام بزرگ کے نام پر سلیم رکھا گیا۔ اس کے بعد ایک بزرگ دانیال کی دعا سے ایک اور لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اسی بزرگ کے نام پر دانیال رکھا گیا۔

حضرت سلیم ابن محمد بن سلیمان بن آدم بن موسے ابن مودود بن

سلیمان ابن فریدالدین مسعود اجودھنی (پاک پتنی) کی ولادت 877ھ میں ہوئی۔ علوم ظاہری کی تعلیم علامہ مجدالدین سرہندی سے حاصل کی۔ سفر حجاز کے دوران مجمع الابرار کے مطابق شیخ مرتضٰی سے طریقت حاصل کی۔ اخبارالاخیار کے مطابق آپ 931ھ میں عرب و عجم کے بے شمار شہروں کی زیارت کے بعد ہندوستان آئے تو سیکری سے ملحقہ پہاڑ پر جو آگرہ سے 12 میل دور ہے۔ ڈیرہ ڈالا اور شادی کی۔ ہیمو بقال کے دور ظلم کے دوران 962ھ میں دوبارہ حجاز گئے۔ اور اکبر کے زمانہ میں 976ھ میں دوبارہ ہندوستان آئے۔

1571ء میں اکبر حضرت سلیم چشتی کی زیارت کے لئے ان کے چھوٹے سے گاؤں سیکری آیا۔ اور ان کے ساتھ قیام کیا۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر آپ کے لئے ایک خانقاہ' ایک مسجد اور ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ حضرت سلیم چشتیؒ سے اکبر اتنا متاثر تھا کہ اس نے اس چھوٹے سے گاؤں کو ایک خوبصورت شہر میں تبدیل کر کے اس کا نام فتح پور سیکری رکھا۔ 1572ء میں وہ گجرات کی فتح پر روانہ ہوا تو راستہ میں پرتگالی عیسائی تاجروں کو جو تعظیم کے لئے حاضر ہوئے تھے شرف باریابی بخشا۔ اکبر کی پرتگالی عیسائیوں سے ذاتی شناسائی مستقبل میں بہت بڑے نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔

پیدائشی قوت تجسس 'شیعہ مسلک کا اثر' سیاسی رواداری' آباؤ اجداد کی مذہبی خصوصیات کے باوجود اکبر سنی مسلک سے منسلک رہا۔ کوئی بھی مسلمان حکمران چاہے وہ فاتح کی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو ملکی نظم و نسق میں شریعت سے بالا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اور اس کے لئے علماء کا سہارا لینا ضروری ہوتا ہے۔ ان علماء کا سلطنت میں بڑا مقام اور رتبہ ہوتا تھا۔ اور یہ صدر' قاضی' میر عدل اور مفتی کے عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔ کام کی اہمیت اور نوعیت کے لحاظ سے ان کا چناؤ بڑے پڑھے لکھے طبقے

سے کیا جاتا تھا۔ جو کہ ہندوستان میں زیادہ تر سنی مسلک کے علماء ہی ہوتے تھے۔ بیرم خان جو کہ خود شیعہ تھا کے دور اقتدار میں ایک شیعہ شیخ گدائی صدر الصدور بنایا گیا تھا۔ جسے بیرم خان کے قتل کے فوراً" بعد اس عہدہ سے فارغ کر دیا گیا خواجہ محمد قلع کے مختصر عرصہ کے بعد عبدالنبی کو صدرالصدور کے عہدہ پر اور شیخ عبداللہ سلطان پوری کو شیخ الاسلام کی مسند پر فائز کیا گیا۔ یہ دونوں سنی العقیدہ مسلمان تھے۔

عبدالنبی بن احمد عبدالقدوس حنفی تھے انہوں نے ابتدائی دینی تعلیم گنگوہ میں حاصل کی اور بعد میں حرمین شریفین میں ابن حجر مکی تمیمی اور دوسرے محدثین سے حدیث پڑھی اور برسوں مشائخ کی صحبت سے مستفیض ہو کر محدثین کا مسلک اختیار کیا۔ ہندوستان میں آکر مسئلہ سماع و وجد' وحدت الوجود' اعراس اور صوفیہ کی رسومات کی مخالفت اور سنت محفہ اور طریقہ سلف کی حمائت شروع کر دی۔ اس جرم میں انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ 971ھ میں اکبراعظم نے انہیں صدر الصدور مقرر کیا اور برسوں اس منصب پر فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں وظائف النبی' سنن الہدیٰ فی متابعتہ المصطفےٰ' رسالہ در حرمت سماع' رسالہ در رو قفال مروی علی امام ابی حنیفہ شامل ہیں۔

شیخ عبداللہ ابن شمس الدین انصاری کا آبائی وطن ٹھٹھہ (صوبہ سندھ) تھا۔ ان کے دادا جالندھر رہائش پذیر ہوئے اور شیخ عبداللہ سلطان پور (صوبہ پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیمات شیخ عبداللہ سرہندی سے حاصل کیں۔ حدیث کی تعلیم شیخ ابراہیم ابن المعین سے حاصل کی اور مشغلہ تدریس و تصنیف شروع کیا۔ شیر شاہ سوری نے انہیں صدر السلام کا خطاب دیا بعد میں سلیم شاہ انہیں اپنے تخت کے برابر جگہ دیتا تھا۔ ہمایوں نے دوبارہ عنان حکومت سنبھالنے کے بعد انہیں شیخ الاسلام اور اکبر اعظم نے مخدوم الملک کا خطاب دیا اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر

کیا۔ ان کی متعدد تصانیف میں کشف الغمہ، منہاج الدین، عصمت الانبیا، شرح عقیدہ الحافظہ اور رسالتہ نی تفصیل العقل اعلیٰ العلم قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں خواجگان چشت، بزرگان قادریہ اور سہروریہ بہت بلند رتبہ لوگ تھے۔ سولہویں صدی میں صوفیوں کی ریاضت و مجاہدات اور کشف و کرامات کی شہرت پھیلی۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری برسوں تک جنگل میں کھڑے رہے۔ شیخ احمد کھتوں چالیس چالیس دن تک روزہ رکھتے اور صرف ایک کھجور سے افطار کرتے۔ شاہ میاں جیو چھ چھ مہینے حجرہ میں بند رہتے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری نے بارہ برس کوہ چنار میں بناس پتی کھائی اور یاد خدا میں مصروف رہے۔ اس زمانہ میں "وحدت وجود" کے عقیدے نے ایک مفصل اور ہمہ گیر فلسفے کی شکل اختیار کی۔ ذہین صوفیوں نے اسے خوب پھیلایا۔ فارسی شاعروں نے اسے مقبول عام بنایا اور طریقت شریعت سے بالا تر ہو گئی۔ مسلمانوں کی عملی زندگی کو اس فلسفے نے نقصان پہنچایا اور بتدریج جہدو توکل اور تدبیر و تقدیر کے تصورات کو مسخ کرکے رکھ دیا۔ نویں صدی ہجری کے آخر میں تحریک مہدویت نے شریعت ظاہر کی حمائت کا بیڑا اٹھایا۔ یہ لوگ قرآن و سنت سے خفیف ترین تجاوز جائز نہ رکھتے تھے۔ اور جس طرح احکام شرعی کے خود پابند تھے دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کا پابند بنانے میں تشدد کرتے تھے۔ دسویں صدی ہجری میں اسے عبداللہ خان نیازی اور شیخ علائی نے زندہ رکھا۔ سلیم سوری کے زمانہ میں اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی گئی اور شیخ الاسلام مولانا عبداللہ سلطان پوری نے شیخ علائی کو کوڑے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ مہدوی تحریک کو دبانے کے لئے مہدویت کے حامیوں کو بھی ان کی جانب سے کڑی سزائیں دی گئیں اور ان میں فیضی، ابوالفضل اور ان کے باپ شیخ مبارک ناگوری کا نام بھی آتا ہے جو بعد میں مخدوم الملک اور صدر الصدور کی تذلیل اور ان کی موت کا سبب بنے۔

اکبر ان دونوں عالموں کے فیصلوں کو جو کہ سنی فقہ کے مطابق ہوتے تھے قابل تحسین نظروں سے دیکھتا تھا چونکہ عبدالنبی کا تعلق اسلام کے بہت بڑے امام ابوحنیفہ کے گھرانے سے تھا۔ اس لئے اکبر ان کا بہت عزت و احترام کرتا تھا۔ صدر الصدور کا عہدہ سلطنت کا چوتھا ستون شمار ہوتا اور اسے سلطنت کا سب سے بڑا قانون دان مانا جاتا تھا۔ وہ وقف جائیدادوں کا نگران اور اس کی تقسیم کا کلی حق رکھتا تھا۔ اور محتسب بھی تھا۔ عبدالنبی کا دوسرے صدور سلطنت سے زیادہ عزت و مقام تھا۔ وہ کئی دفعہ مکہ گئے اور احادیث کا درس دیا۔ انہیں مذہب پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا تھا۔

عبدالنبی کو صدر الصدور کا عہدہ اس وقت دیا گیا جب رشوت لینے اور دینے کی شکایات بالکل عام تھیں۔ آہستہ آہستہ عبدالنبی نے اس عہدہ پر اپنی گرفت مضبوط کی اور ایسے مطلق العنان اختیارات حاصل کر لئے جن کے تحت لوگوں کو اس قدر گزارہ الاؤنس' جائیدادیں اور پینشن وغیرہ دی گئیں کہ سلطنت ہندوستان کے حکمرانوں کی فیاضی بھی ماند پڑ گئی لیکن اکبر صدر کی اس فیاضی پر خاموش رہا۔ اکبر کا عبدالنبی پر اعتماد اور مذہبی پاسداری نے صدر کو آہستہ آہستہ قانون سے بالاتر کر دیا۔ شریعت کا محافظ ہونے کی وجہ سے صدرالصدور مذہبی اور سیاسی امور کو عملی طور پر کنٹرول کرتا تھا۔ اکبر کے دل میں ان کی اتنی تعظیم تھی کہ وہ ان کے سامنے جوتے رکھتا تھا۔

شہنشاہ اکبر' عبدالنبی کے زیر اثر ایک بڑا کٹر اور صحیح العقیدہ سنی مسلمان بن گیا تھا۔ بلکہ اس حد تک متعصب ہو گیا تھا کہ وہ صرف عبدالنبی کے پیروکاروں کو مسلمان تسلیم کرتا تھا۔ اور جو اس کے پیروکار نہ تھے انہیں کافر کہا جاتا تھا۔ اس وقت شیخ مبارک ناگوری جو کہ ایک آزاد خیال عالم دین تھا اور نظریہ ہزار سالہ مدت کا قائل تھا اپنے علم و عزت

کے باعث صدر کے زیر عتاب آیا۔ صدر عبدالنبی اور مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری نے اکبر کو اکسایا کہ شیخ مبارک جدتی اور ملعون و مردود ہے۔ اور یہ دوسروں کو بھی ملعونی بنا رہا ہے۔ اس وقت ایسے لوگوں کو واجب القتل قرار دے دیا جاتا تھا۔ بادشاہ سے اجازت طلب کر کے اس کی گرفتاری کا حکم دیا گیا۔ غصہ و غضب میں اس کی عبادت گاہ کو بھی گندہ کر دیا گیا اور اس کے گھر کو جلا دیا گیا۔ یہ ہی نہیں بلکہ اس کی فصلوں کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اور اسے آخری سہارا سے بھی بے سہارا کر دیا گیا۔ گویا حضرت شیخ کے قدموں تلے سے زمین کی بساط مکمل طور سے لپیٹ دی گئی تھی۔

شیخ مبارک 911ھ میں بمقام ناگور پیدا ہوا۔ پرورش غریب ماں نے کی۔ علوم رسمی ناگور میں حاصل کیے۔ احمد آباد آکر بزرگان صوفیہ سے طریقت کا سبق حاصل کیا۔ فلسفہ وحدت الوجود کی مشہور کتابوں کا مطالعہ کیا۔ علم و فضل سے زیادہ زہدوتقویٰ میں مشہور ہوئے۔ سرکاری علماء کی جانب سے مہدویت اور بدعت کے خلاف دیئے گئے فتوؤں پر نکتہ چینی اور شیخ علائی کی تائید کرنے پر عقائد کے فساد اور ہیمو بقال سے ساز باز کرنے کے الزامات لگائے گئے۔چھپ کر جان بچائی اور مرزا عزیز کوکا کے ذریعہ جان بخشی کروائی۔ شیخ مبارک فیضی اور ابوالفضل کا باپ اور عظیم مورخ عبدالقادر بدایونی کا استاد تھا۔

شیخ مبارک نے حضرت سلیم چشتیؒ سے جب پناہ مانگی تو انہوں نے محسوس کیا کہ مولوی بڑے طاقتور ہیں۔ لہٰذا اس وقت شیخ مبارک کو گجرات چلے جانے کی نصیحت کی۔ اکبر جو کہ مومن تھا ایک کافر کے لئے بے رحم سزا کی مخالفت کیسے کر سکتا تھا جبکہ اسے بتایا گیا تھا کہ یہی جہاد ہے اور اسلام سے اپنی محبت کا اظہار کا ذریعہ ہے۔ اسی جذبہ کے تحت

اس نے کئی شیعہ لوگوں کو قتل کرنے کا حکم بھی دیا۔

بقول بدایونی مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری کی کوششوں سے کئی بدعتی اور شیعہ قتل ہوئے۔ 1570ء میں سید حاکم مقیم اصفہان اور دوسرے کئی شیعہ لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ مولانا عبداللہ ماسوائے سنی ازم کے کسی مسلک کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ مذہبی کتابوں سے بھی تعصب رکھتا تھا۔ بدایونی کہتا ہے کہ "روضتہ الاحباب" کی تعریف کرنے کے جرم میں وہ موت کے بہت قریب ہو کر بچا۔ کیونکہ مولانا عبداللہ اس کتاب کے متعلق اچھا نظریہ نہیں رکھتے تھے۔ مذہبی سخت گیری کے باعث بدایونی جیسا عالم بھی عتاب سے نہ بچ سکا۔

اس زمانہ میں مذہب سیاست پر حاوی نظر آتا ہے۔ اور شہنشاہ اکبر کا آخری نبی الزماں پر اس قدر یقین قائم ہو چکا تھا۔ کہ وہ اہل بیت کی ہر خطا کو در گزر کر دیتا تھا۔ محمد مرک مشہدی اور شاہ ابوالمعالی کو بغاوت کرنے پر بھی معاف کر دیا گیا کیونکہ وہ سید تھے لیکن ان کے ساتھیوں کو مروا دیا گیا۔ اسی عقیدہ اور محبت کی وجہ سے وہ ہر سال اجمیر شریف زیارت کے لئے جاتا اور اس نے حضرت سلیم چشتی کے چھوٹے سے گاؤں کے ارد گرد بہت بڑا شہر بسایا۔ وہ حضرت سلیم چشتی کی مسجد میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔

اس زمانہ میں اکبر نے کامیابی کے ساتھ نافرمان افغانوں' قانون سے لاپروا ترکوں اور باغی ہندؤں کا احتساب کیا۔ ہندوؤں کو یا تو مادہ پرستی میں مبتلا کیا گیا یا پھر ان کے دل دوستی کی جانب تبدیل کئے گئے۔ ہر طرف سے فتح و کامرانی کی خبروں نے سلطنت دہلی سے بے یقینی کی حالت کو ختم کر دیا۔ اب سفر بلا خطر اور محفوظ تھے۔ ہندوستان اب ان لوگوں کے لئے محفوظ ہو چکا تھا جو عثمانیوں اور ایرانیوں کے ستائے ہوئے تھے۔ یا ہندوکش ریاستوں میں خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ اکبر صحیح العقیدہ سنی مسلمان بن

چکا تھا۔ اور ہندوستانی گورنمنٹ سنی خطوط پر عبدالنبی اور عبداللہ سلطانپوری چلا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کو اکبر نے تلوار کے زور سے فتح کیا اور اس پر وہ اپنی دانست اور حکمت عملی سے حکومت کر رہا تھا لیکن ملاؤں کو مذہبی برتری حاصل تھی اور یہی وجہ تھی کہ اکبر ان کے فیصلوں پر کبھی ناراض نہیں ہوا تھا۔ دراصل طاقت حاسد ہوتی ہے۔ اور وہ کسی ہمسر کو برداشت نہیں کرتی۔ خصوصاً وہ طاقت جو مذہب کے ناطے حاصل کی گئی ہو یہ بہت ہی خطرناک ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ علماء حضرات اکثر اوقات اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز کر جاتے تھے۔ اور ایسے اقدامات کرتے جو ملک کے لیے زہر قاتل ہوتے تھے۔

سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ اکبر زرعی اصلاحات بھی نافذ کر رہا تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے Say-urgal Lands سے متعلق تحقیقات کروائیں تو اسے معلوم ہوا کہ صدور اس معاملہ میں ابھی تک رشوت لینے اور دیگر کئی طرح کی بدعنوانیوں میں شامل ہیں۔ شیخ عبدالنبی کو اسی درستگی اموال کے لئے متعین کیا گیا تھا۔ لیکن دیکھا گیا کہ "فرمان" جس کے تحت زمین دی جاتی تھی "ذو معنی" تحریر کئے جاتے تھے۔ جس کے پاس یہ فرمان ہوتا وہ اپنی مرضی سے جتنی اراضی چاہتا حاصل کرتا۔ اور وہ اتنے عرصہ تک یہ اراضی اپنے پاس رکھتا جس حساب سے وہ قاضی اور صوبائی صدر کو رشوت دیتا تھا۔ بار بار تحقیقات کے بعد اکبر اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ بے ضابطگی ہمہ گیر ہے۔ لہٰذا اکبر نے افغانوں اور چوہدریوں سے زمینیں واپس لے لیں اور باقی زمینیں صدر کے دائرہ اختیار میں دے دیں۔ جس کے پاس بھی 500 بیگھہ سے زائد زمین تھی اسے اپنا استحقاق ظاہر کرنے کو کہا گیا۔ اور جس کے پاس استحقاق موجود نہ تھا اسے زمینوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ایک عام حکم کے تحت سو بیگھہ زمین کے مالک سے 3/5 حصہ بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ یہ کام اکبر کے خلاف کسی وقت بھی

بغاوت کا سبب بن سکتا تھا لہٰذا یہ ناخوش افغان اور چوہدری مولویوں سے مل گئے اور سیاسی لڑائی مذہبی لڑائی کا رخ اختیار کر گئی۔

نئے مفتوحہ علاقوں کی بحالی کے دوران اکبر کو معلوم ہوا کہ قاضی مالی امداد حاصل کرنے والوں سے بھی رشوت وصول کرتے ہیں۔ تمام معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے بعد اس نے بہت سے قاضی معطل کر دیئے اس سلسلہ میں اس نے کسی مذہب یا مسلک کا لحاظ نہ رکھا۔ اسی دوران اکبر نے حکم دیا کہ کوئی قاضی اس وقت تک Aymas کی الاٹمنٹ نہ کرے جب تک فرمان کی تصدیق صدر نہ کرے اس طرح ہندوستان کے کونے کونے سےAymadar صدر کے پاس حاضر ہوئے۔ ان میں سے اگر کسی نے کسی اہم شخص کی ضمانت پیش کر دی تو اس کی الاٹمنٹ درست قرار دے دی جاتی لیکن جن کے پاس سفارش یا ضمانت نہ ہوتی ان کو صدر کے پرنسپل اسسٹنٹ عبدالرسول کو رشوت دینی پڑتی تھی۔ اور اس رشوت میں جھاڑوکش، ماشکی اور سائیس وغیرہ کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ کلم رشوت دینے یا پھر اعلیٰ سفارش نہ ہونے پر Aymas کی تصدیق نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن صدر کی شکائت کرنے کی کوئی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ صدر کے اکبر کے ساتھ تعلقات کا سب کو علم تھا۔

میرٹھ، چتوڑ، رنتھبور اور کالنجر کے مشہور قلعوں کی فتح کے بعد اعتماد الدولہ کی طرف سے گجرات کی بدامنی ختم کرنے کی دعوت دی گئی۔ اکبر نے بے پناہ دولت اور جغرافیائی محل وقوع کے پیش نظر گجرات کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا اسے معلوم تھا کہ حج پر جانے والے جہاز یہیں لنگر انداز ہوتے ہیں۔ گجرات پر حملہ کے دوران اکبر کی پرتگالی عیسائیوں کے ساتھ شناسائی ہوئی جو بعد میں مولویوں کے ساتھ نفرت کی ایک وجہ بنی۔ اس جنگ میں بھگوان داس اور اس کے لے پالک بیٹے مان سنگھ نے بھی بڑی جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا جس پر اسے وہ عزت بخشی گئی جو صرف

شاہی چغتائی اور آل تیمور کے لئے وقف تھی اور اس وقت تک کسی مسلمان کو عنائت نہ کی گئی تھی۔ سورت کو ٹوڈرمل نے فتح کیا اور اس طرح بادشاہ 3 جون 1573 کو واپس اجمیر کے راستے فتح پور سیکری پہنچا۔

بقول سمتھ گجرات کی فتح پر بہت سے مشہور لوگ اکبر کو مبارکباد دینے کیلئے آئے اور ان میں شیخ مبارک ناگوری بھی تھا۔ جس نے اس موقعہ پر بڑی معنی خیز تقریر کی۔ جس میں اس نے بادشاہ کو لوگوں کا روحانی' دینوی اور زمانی راہنما قرار دیا۔ اکبر کو یہ تقریر بہت پسند آئی اور اس نے ان الفاظ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے چھ سال تک خاموشی اختیار رکھی۔

سمتھ کہتا ہے کہ اکبر ابتدا سے ہی چاہتا تھا کہ Pope Coeser کو یکجا کر کے ایک قانون نافذ کرے اور شیخ مبارک کی تقریر نے اس کے اس خیال کو تقویت بخشی اور اس نے شیخ مبارک کے ساتھ مل کر 1573 سے 1579 تک خاموشی کے ساتھ اس پر کام کیا۔ لہٰذا 1579 میں ماحضر جاری کی گئی۔ سمتھ کے مطابق یہ اسلام سے مکمل قطع تعلق تھا۔ جبکہ Buckler کے مطابق یہ ایک سیاسی دستاویز تھی۔

اکبر جب واپس دارالخلافہ پہنچا۔ تو دوسرے لوگوں کے ساتھ شیخ مبارک بھی شامل تھا۔ اس وقت تک عزیز کوکا کی معرفت شیخ مبارک والا معاملہ رفع دفع ہو چکا تھا۔ اسی دور میں شیخ مبارک کے بیٹا فیضی ایک شاعر کی حیثیت سے اکبر کے دربار میں قدم جما چکا تھا۔

ابوالفیض فیضی 954ھ میں بمقام آگرہ پیدا ہوا۔ بیس اکیس برس کی عمر میں دربار شاہی تک پہنچا 996ھ میں ملک الشعرا کا خطاب پایا۔ اکبر کے خلوت و جلوت کا مشیر تھا اور شہزادوں کی تعلیم اس کے ذمہ تھی۔ اس کا فارسی دیوان تاحال محفوظ و مشہور ہے۔ بادشاہ کی فرمائش پر خمسہ نظامی کا جواب لکھا۔ اس کی مثنوی نل و من درس گاہوں میں

پڑھائی جاتی تھی اور اس کا شمار ایران کی ادبیات عالیہ میں ہوتا تھا۔ اس نے فن ریاضی پر سنسکرت کی کتاب لیلاوتی اور مہابھارت کے دو جزو کا ترجمہ کیا۔ اور سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک کی بے نقطہ تفیسر "سواطع الالہام" ہے جو تحریر موضوع اور زبان عربی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کی پندو نصیحت کے لیے بے نقطہ کتاب مواردالکلم سلک دُررالحکم "تحریر کی۔

شیخ مبارک کا دوسرا بیٹا علامہ ابوالفضل 1512ھ میں ایتہ الکرسی کی انتہائی جامع تفسیر پیش کرنے پر دربار سے منسلک ہوا۔ ابوالفضل 958ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا۔ علوم رسمی باپ سے حاصل کیے۔ فیضی کی سفارش پر 981ھ میں دربار میں حاضر ہوا۔ اور بادشاہ کا تقرب حاصل کیا۔ بیستی سے چل کر سب سے بڑے منصب پنج ہزاری تک ترقی حاصل کی اور بادشاہ اکبر کوئی کام اسکے مشورہ کے بغیر نہ کرتا تھا۔ میر منشی یا وزیر خاص کی حثیت سے جملہ احکام شاہی اس کے قلم سے نکلتے اور تمام نئی اصلاحیں اور جدید آئین اسی کی رائے سے مرتب ہوتے۔ شاہی محکمے' کارخانے' فوجی' دیوانی تنظیم نو اور مناصب وغیرہ کی مفصل تقسیم اسی کے قلم سے ہوتی تھی۔

ابوالفضل فارسی انشاء پردازی میں نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس کی تاریخ اکبر نامہ ادب میں ایک بہت بڑا کارنامہ تسلیم کی جاتی ہے۔ انشائے ابوالفضل جو مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ فارسی کی اعلیٰ درسیات میں شامل ہے اور لفظوں کی دقیق صنائع کا نمونہ ہے۔ آئین اکبری عام معلومات کا خزانہ ہے۔ اس نے کلیلہ دمنہ کے فارسی ترجمے کئے اور انوار سہیلی کو سادہ عبارت میں ازسر نو لکھا جو عیاردانش کے نام سے مشہور ہوئی۔

اسی دوران بنگال کا حکمران سلیمان کرانی (Kakarani) فوت ہو گیا۔ اور اس کی جگہ آمرانہ ذہن کے مالک اس کے بیٹے داؤد کرانی نے حکومت

سنبھالی۔ داؤد نے شاہی دربار کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ اکبر بذات خود اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بنگال گیا۔ اور یہاں بھی گجرات کی کہانی دہرائی گئی۔ مشرقی جانب سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ اس کا ذہن بھی وسیع ہوتا گیا۔

اکبر پہلا مغل بادشاہ تھا۔ جس نے روز مرہ کے معمولات کو سخت اصولوں سے ترتیب دیا ہوا تھا۔ اس کے دن رات کا ہر لمحہ کسی نہ کسی ریاست کے کام کے لئے مقرر تھا۔ بنگال کی فتح کے وقت اس نے سنا کہ سلیمان کرانی عدل گستر' سخی اور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ نہائت عبادت گزار' رعایا کے معاملات میں رحم و کریم تھا۔ دن میں روزہ اور رات کو عبادت کے لئے قیام معمول تھا۔سلیمان کرانی (Kararani) ہر رات 150 علماء و شیوخ کے ساتھ نماز پڑھتا اور صبح تک ان کے ساتھ رہتا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد وہ فوجی اور انتظامی معاملات دیکھتا تھا۔ اس نے ہر کام کے لئے وقت مقرر کیا ہوا تھا اور وہ اس طریقہ کار میں کبھی تبدیلی نہیں آنے دیتا تھا۔ اکبر کے قدرتی روحانی تجسس نے سلیمان کا طریقہ عبادت اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اور اس نے فوری طور پر شیخ عبداللہ نیازی سرہندی کے حجرہ کی مرمت اور اس کے چاروں جانب ایک بڑا ہال تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اور اس ہال کا نام عبادت خانہ رکھا۔

اس زمانہ میں اکبر کے چچا زاد بھائی مرزا سلیمان بدخشانی جو بڑے صوفی اور صاحب حال بزرگ تھے ہندوستان آئے اکبر نے اسی عبادت خانہ میں ان کا استقبال کیا یہ عبادت خانہ بالکل مذہبی نقطہ نظر سے تعمیر کروایا گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کہ ابتداء میں یہ عبادت خانہ صرف اہل اسلام کے لئے کھولا گیا۔ اور اہل اسلام میں بھی صرف شیوخ علماء اور امرا اس میں داخل ہو سکتے تھے۔ عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ ہال مذہبی بحث و مباحثہ کے لئے بنایا گیا اور اسی ہال میں دونوں صوفی برادران نے

مشہور دین الٰہی تخلیق کیا تھا۔ لیکن اس زمانے کی تصویر کشی کرتے ہوئے بدایونی کہتا ہے کہ ''کئی سالوں سے بادشاہ مسلسل اور شاندار فتوحات حاصل کر رہا تھا اور دن بدن طاقتور ہوتا جا رہا تھا۔ ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی اور اب کہیں بھی سلطنت میں اس کا مخالف نہیں رہا تھا۔ لہٰذا وہ زیادہ تر اپنا وقت اللہ اور رسولؐ کی تعلیمات سیکھنے میں گزارتا تھا۔ اور ''یاہو'' اور ''یاہادی'' کا ورد کرتا رہتا تھا۔ اللہ کی تعظیم و تکریم سے اس کا دل منور تھا اور وہ اپنی گزشتہ فتوحات پر اس کا شکر ادا کرتا تھا وہ کئی صبح ایک بڑے پتھر پر جو محل کے قریب تھا اکیلا بیٹھ جاتا تھا اور اس کا سر اس کی چھاتی پر ہوتا تھا۔ مختصراً'' یہ کہ یہ بالکل سچ ہے کہ جب اس نے عبادت خانہ تعمیر کروایا تھا تو وہ ایک عبادت گزار اور سچائی پر تھا''۔

فیضی' ابوالفضل اور بدایونی کے مطابق عبادت خانہ ایک بڑی مستطیلی شکل کی عمارت تھی۔ جس میں 500 آدمی سما سکتے تھے۔ اس کے کئی کمرے اور بالکونیاں تھیں۔ ان کمروں کو ہال سے پردوں اور ریلنگ کے ذریعہ الگ الگ کیا گیا تھا۔ یہ بلڈنگ شاہی محل کے قریب بنائی گئی تھی۔ منتخب التواریخ کے مطابق ہال کے وسط میں مثمن پلیٹ فارم تھا جس پر بادشاہ جلوہ ازوز ہوتا تھا۔ چار وزیر عبدالرحیم' بیربل' فیضی اور ابوالفضل چاروں کونوں میں بیٹھتے تھے۔ ہر جمعرات کو اسمبلی منعقد ہوتی تھی۔ خصوصی تہواروں پر بھی میٹنگ منعقد ہوتی تھیں۔ مولانا ضیاء اللہ کے استقبال کے موقع پر بھی خصوصی میٹنگ کا انتظام کیا گیا۔ بقول بدایونی ''اس دور میں اکبر بالکل مذہبی بن چکا تھا اور اس کے مذہبی جذبات انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ سلیم کی پیدائش کی وجہ سے سلیم چشتی'' کی خانقاہ کی بہت عزت و تکریم کی جاتی تھی دن کے مختلف اوقات میں شہنشاہ اکبر خانقاہ سے ملحقہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں صوفیوں کے انداز میں مراقبہ کی حالت میں

رہتا۔ اللہ تعالیٰ، دینداری، قانون اور آداب محفل پر گفتگو اس کا معمول بن چکا تھا۔ ہر رات وہ ان موضوعات پر علماء اور مشائخ سے گفتگو کرتا۔ ہر جمعرات کو عبادت خانہ کو پھولوں اور خوشبوؤں سے مہکایا جاتا اور اگر بتیاں جلائی جاتی تھیں۔ مستحق اور پڑھے لکھے تنگ دستوں میں رقومات تقسیم کی جاتی تھیں۔ ہال میں ایک لائبریری بھی موجود تھی جس میں گجرات کی فتح کے بعد اعتماد خان کی لائبریری کی کتب منتقل کی گئی تھیں"۔

نظام الدین اور بدایونی کہتے ہیں کہ ابتداء میں مشائخ، علماء، بزرگ اور اکبر کے چند ساتھی عبادت خانہ میں جا سکتے تھے۔ اور یہی لوگ گفتگو میں شریک ہوتے تھے۔ سب سے پہلے ہال میں بیٹھنے کی جگہوں پر جھگڑا ہوا۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ وہ شہنشاہ اکبر کے نزدیک بیٹھے۔ یہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ شہنشاہ کو خود ان لوگوں کے لئے جگہوں کا تعین کرنا پڑا۔ شہنشاہ نے حکم دیا کہ امراء مشرق سادات مغرب علماء جنوب اور شیوخ شمال کی جانب بیٹھیں۔ اس حکم سے اگرچہ کچھ عرصہ کے لئے خاموشی رہی لیکن یہ معاملہ مستقل طور پر حل نہ ہوا۔

بدایونی کہتا ہے کہ ایک موقع پر علماء کی جانب سے اتنا شور برپا ہوا کہ اکبر ناراض ہوا اور اس نے بدایونی کو ہدایت کی کہ وہ ایسے علماء کو جو معیاری گفتگو نہیں کر سکتے ان سے متعلق رپورٹ پیش کرے تاکہ انہیں ہال سے نکال دیا جائے۔ بدایونی نے فوراً" آصف خان جو اس کے قریب بیٹھا تھا سرگوشی کے انداز میں کہا کہ اگر میں نے اس حکم کی فوری تعمیل کی تو بہت سے علماء کو ہال سے نکال دیا جائے گا۔

اکبر قرآن پاک کی بے مثل شرح چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے باقاعدہ حکم جاری کیا۔ قرآن پاک کی شرح پر بھی ایک بڑا جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر عالم اپنی دلیل کو مستند قرار دیتا تھا۔ اور اس طرح مختلف آیات کی مختلف انداز میں تشریح کرنے پر علماء آپس میں دست و گریبان ہوئے

درباری ملا اپنے آپ کو بہت بڑا جید سمجھتے اور کسی اور کی کوئی بات تسلیم کرنا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ لہٰذا بحث مباحثوں میں ہر طرف تلخی پیدا ہو گئی۔ مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری اور عبدالنبی ان بحثوں میں پیش پیش تھے۔ اپنی پوزیشن کے لحاظ سے یہ لوگ اپنے آپ کو خطا سے مبرا سمجھنے لگے تھے۔ جس سے لوگ متنفر ہو گئے اکبر ان کے غرور اور تکبر کو معاف کرتا چلا آ رہا تھا۔ آخر ان کی بے دلیل گفتگو کے نتیجہ میں اکبر ان کے غرور کو توڑنے کے لئے تعلیم یافتہ اور عالم فاضل لوگوں کو دربار میں لے آیا۔ ابوالفضل کو جو مبارک کا بیٹا اور فیضی کا بھائی تھا۔ نے آیت الکرسی کی بے مثل شرح کر کے دربار میں اپنا مقام بنایا۔ اسے ان ملاؤں کے دلائل کو رد کرنے کے لئے متعین کیا گیا۔ اس کے علاوہ حاجی ابراہیم اور بدایونی کو بھی یہی فرائض سونپے گئے۔

مباحثوں میں ذاتیات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی ایک دن خان جالان نے اسمبلی کو بتایا کہ عبداللہ سلطانپوری نے حج کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اور وہ خود بھی مکہ بغیر قوی دلیل دیئے نہیں جاتا اس کے علاوہ وہ زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتا سال کے اختتام پر وہ اپنی تمام جائداد اپنی بیوی کے نام کر دیتا ہے اور جیسے ہی سال گزرتا ہے وہ تمام جائداد واپس لے لیتا ہے بقول بدایونی مخدوم الملک کی ہر برائی اور قابل مذمت کردار اب ہر ایک کے سامنے تھا۔ عبداللہ سلطانپوری کی تضحیک کے بعد عبدالنبی کی پوزیشن مستحکم ہو گئی تھی۔ صدر کے متعلق اکبر کے جذبات سب پر عیاں تھے۔ اکبر صدر الصدور کے گھر اسلامی تعلیمات سیکھنے کے لئے جاتا تھا اور اس کے سامنے ننگے پاؤں کھڑا رہتا تھا۔ شہزادہ سلیم ان کے گھر احادیث کا سبق لینے جاتا تھا۔

بنگال کی لڑائی ختم ہوئی تو اکبر 77-1576ء میں اجمیر شریف زیارت کے لئے گیا۔ وہ عرس کے موقع پر وہاں پہنچا۔ اکبر نے دربار شریف کی

زیارت کی، نماز پڑھی اور آیات قرآنی کی تلاوت کے بعد مراقبہ میں بیٹھا۔ اس نے تمام کاروان حج کو جو ان دنوں حج پر جا رہے تھے پورا پورا خرچہ دیا اور ان کو راستے میں استعمال کرنے کی ہر چیز مہیا کی۔ اس کے علاوہ اس نے حکم دیا کہ جو بھی حج پر جائے گا اس کا تمام خرچہ سلطنت برداشت کرے گی۔ ایک نیا محکمہ حج قائم کیا گیا۔ اور اس کا انچارج جو میر حج کہلاتا تھا اجمیر شریف کے سجادہ نشینوں میں سے مقرر کیا۔ 6 لاکھ روپیہ نقد 1200 پوشاکیں اور بے شمار تحائف مکہ اور مدینہ میں تقسیم کے لئے بھیجے۔ امیر مکہ کے لئے زیورات سے مزین پوشاکیں بھیجیں۔ اور ہندوستانی حاجیوں کے لئے وہاں بلڈنگ تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ حج پر جانے والے کارواں کے ساتھ احرام کی حالت میں ننگے سر اور ننگے پاؤں ساتھ ساتھ چلتا جاتا اور لبیک اللہ ھما لبیک کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے سلطان خواجہ کا ہاتھ پکڑ کر شرعی الفاظ میں کہا کہ ”حج اور زیارت کے لئے ہم نے اپنی طرف سے تمہیں وکیل کیا۔“ اس نے حاجیوں کے لئے بحری بیڑہ تیار کروایا جسے ”جہاز الہیٰ“ کا نام دیا گیا۔ اس میں 100 جہاز شامل تھے یہ سلسلہ چھ سال تک چلتا رہا۔ لیکن جب اکبر کو علم ہوا کہ حاجیوں کے نام پر خزانہ سے لی گئی رقم میر حج اپنی ذات پر خرچ کر لیتا ہے تو اس نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔

اسی زمانہ میں سلطنت کے انتظام و انصرام کو درست خطوط پر چلانے کے لئے تنظیم نو کی گئی تو چیف قاضی کی جانب سے بے شمار بے ضابطگیوں کے باوجود اکبر نے اس کی عزت برقرار رکھی اور انہیں 1565 میں جو جزیہ عارضی طور پر 10 سال تک کے لئے معاف کر دیا گیا تھا۔ دوبارہ بحال کرنے کے لئے شرائط طے کرنے کو کہا۔

اسی دوران اسلام میں تعداد ازواج کے سوال پر جھگڑا کھڑا ہوا۔ تعداد ازواج سے مراد ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے "اور اگر تمہیں خوف ہو یتیموں کے بارے میں کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایسی عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔ دو دو اور تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر (اکتفا کرو) یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ زیادہ مناسب ہے۔ تاکہ ناانصافی نہ کرو" حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہے۔ حنفی فقہا کا کہنا ہے کہ چونکہ ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ شادی کرنے میں اس امر کا خوف ہے کہ ان کے درمیان عدل نہیں ہو سکے گا اس لئے مسلمانوں کے لئے صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنا واجب ہے۔ مالکی فقہا کی کم و بیش یہی رائے ہے۔ ان کے نزدیک لونڈی سے نکاح بھی آزاد عورت کے برابر ہوگا۔ حنبلی فقہا کے نزدیک صرف ایک عورت سے شادی کرنا پسندیدہ امر ہے اور زیادہ شادیوں سے گریز کرنا چاہئے۔ امام شافعی "اَلاتعوُلو" سے مراد "تاکہ زیادہ عیال دار نہ بن جاؤ" لیتے ہیں۔ حضرت مسود بن مخرمہ کی روائت کردہ حدیث ہے کہ جب حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی موجودگی میں رسول اللہ صلعم سے دوسری شادی کی اجازت طلب کی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور مسجد نبوی کے منبر پر رونق افروز ہو کر تین مرتبہ اعلان فرمایا کہ اس کی کسی صورت میں اجازت نہیں دی جا سکتی اور اگر حضرت علی کو دوسری شادی کرنے پر اصرار ہے تو پھر وہ حضرت فاطمہ کو طلاق دے کر دوسری شادی کر سکتے ہیں۔ شیعہ کے ایک فرقے رافضی کے مطابق اسلام میں نو عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت ہے اور وہ دو، تین اور چار کو جمع کرکے نو کی گنتی پوری کرتے ہیں۔ امام النخعی اور امام ابن ابی لیلیٰ اٹھارہ عورتوں سے شادی جائز قرار دیتے ہیں۔

عربوں میں رواج تھا کہ وہ کسی وقت مقررہ کے لئے کسی عورت سے کچھ رقم کے عوض نکاح کر لیتے تھے جسے متعہ کہا جاتا تھا۔ المتعہ عربی

زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں جس سے عارضی فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ نکاح متعہ کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں ہے لیکن احادیث میں اس نکاح کا تذکرہ موجود ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ النساء (4-24) میں جس متعہ کا ذکر ہے اس کا تعلق مطلقہ عورت کے اخراجات سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے "پس ان میں سے جن عورتوں سے تم نے تمتع کیا ہو' تو ان کو ان کے حق مہر دو۔ فریضہ کی حیثیت سے حق مہر کے ٹھہرانے کے بعد' جو تم نے آپس میں راضی نامہ کیا' تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔" حضرت عباس متعہ کو جائز قرار دیتے اور سورۃ النساء کی متذکرہ آئت سے متعہ کے جواز کا استدلال کیا کرتے تھے۔

اکبر کے حرم میں ملکی' غیر ملکی' مسلمان اور غیر مذہب کی بے شمار خواتین موجود تھیں اس لئے وہ خود اس معاملہ میں دلچسپی رکھتا تھا لہٰذا عبادت خانہ میں اس پر دل کھول کر بحث کی گئی عبدالنبی نے فتویٰ دیا کہ کوئی شخص متعہ کے تحت جتنی مرضی ہو عورتیں رکھ سکتا ہے۔ لیکن جب یہ معاملہ اچھالا گیا تو موقع کی مناسبت سے اس نے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ فتویٰ واپس لے لیا۔

بدایونی کے مطابق اس سے اکبر بہت ناراض ہوا۔ معاملہ آہستہ آہستہ سنگین صورت حال اختیار کر گیا اور یہ ثابت کیا گیا کہ فتویٰ صرف شہنشاہ کو خوش کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ نتیجہ کے طور پر قاضی یعقوب کو معطل کر کے قاضی حسین عرب مالکی کو اس کی جگہ تعینات کر دیا گیا یہ پہلا قاضی تھا جو شیعہ مسلک سے لیا گیا۔ 77-1576 میں مولانا جلال الدین ملتانی جو کہ اس وقت آگرہ میں تھا فتح پورسیکری میں متعین کرتے ہوئے قاضی یعقوب کو Gaur کا صرف ضلعی قاضی بنا دیا گیا۔ یہ صورت حال اکبر کے مجتہد ہونے تک جاری رہی

بحث مباحثہ کے دوران روایات کے اختلافات نے اکبر کو بہت پریشان

کر دیا۔ خصوصاً" اہل سنت والجماعت کا ترجمان ایک اسلامی حکم کو جائز قرار دیتا تھا۔ جبکہ دوسرا پرزور دلائل کے ساتھ اس کی نفی کرتا تھا۔ لہٰذا اکبر کو خواہش ہوئی کہ ان احکامات اسلامیہ کے متعلق دوسرے مسلک کی بھی رائے لی جائے۔ لہٰذا اس نے دوسرے مسلک کے عالموں سے گفتگو کرنے کے لئے شیعہ اور مہدی مسلک کے لوگوں کے لئے بھی عبادت خانہ کھول دیا۔ اب اسلام کے مختلف مکاتب فکر کے لوگ مختلف روایات اور احکامات اسلامیہ پر دست و گریباں ہوئے۔ شیعہ کسی طور پر بھی اپنے آپ کو سینوں سے کم تر نہیں سمجھتے تھے۔ شیعہ جن مکروہ اور شرمناک القاب سے صحابہ کرام کو پکارتے تھے۔ اہل سنت و الجماعت کے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔ لہٰذا سینوں نے بھی اسی طرز عمل کا مظاہرہ کر کے شیعہ الزامات کا جواب دینا شروع کر دیا۔ ہر کوئی اپنے آپ کو مذہب پر اتھارٹی سمجھتا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری ہو گیا کہ روایات و احادیث کا ذکر بڑی احتیاط اور جانچ پڑتال کے بعد استعمال ہو۔ اور اس کے لئے ضروری تھا کہ روایات اور احادیث بیان کرنے والوں کی بھی جانچ پھٹک کی جائے۔ لہٰذا سچ کی تلاش میں بہت سے ناگوار اور غیر مستند قصے بیان کئے گئے۔ جو ایک پارٹی کے لئے قبول اور دوسرے کے لئے ناقابل قبول تھے۔ حتیٰ کہ رسول پاکؐ کی زندگی پاک اور صحابہ کرام کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ محسن خان کے بقول عبادت خانہ میں اونٹ کے راستہ بھول جانے' نو بیویوں کی اجازت' بیویوں کی اپنے خاوندوں سے علیحدگی' پہلے تین خلفاء کی تقرری' باغ فدک جیسے اختلافی مسائل زیر بحث رہتے تھے۔ فروعی مسائل کے بعد اصول عقائد پر شدت سے تنقید کی گئی اور مذہب میں تقلید کی بجائے تحقیق کو اولیت قرار دیا گیا۔ صدرالصدور اور مخدوم الملک کی زیر سرپرستی دو متعصب اور تشدد پسند گروہوں نے جنم لیا۔ ایک عالم ایک شے کو حلال قرار دیتا تو دوسرا اتنی ہی شدت سے اس چیز کو حرام قرار دیتا۔

مذہب اسلام کے داعی دو بڑے فرقوں میں اس قدر اختلاف کے باعث اکبر کے غیر مطمئن ذہن نے ایک اور انگڑائی لی۔ اور عبادت خانہ اہل اسلام کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس عبادت خانہ میں جہاں ابتدا میں صرف سنی' درمیان میں اسلام کے متعلقہ دوسرے فرقے شامل ہوئے تھے اب وہاں ہندو' سکھ' جین' بدھسٹ اور عیسائی بھی شامل ہو گئے۔ اور اس طرح اکبر نے وہی طریقہ کار اپنایا جو تبلائی خان نے اختیار کیا تھا۔

1576ء -77 میں ہندوستان سے باہر ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا۔ جو ہندوستان میں تیموری سلطنت' مصر کی خلافت اور شیعہ سلطنت ایران کے لئے یکساں اہمیت کا حامل تھا۔ اکبر کو بابر اور ہمایوں پر شیعہ اثر کا بخوبی علم تھا۔ بلکہ دور اکبری میں بھی شیعہ اپنا اثر دکھائے ہوئے تھے۔ شیعہ شہنشاہ ایران اپنی سرحد پر واقع حکومت کو ابھرنے کا موقع فراہم نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً" جب فاتحین اس کے نائبین کی حیثیت رکھتے ہوں۔ لیکن شہنشاہ طہماسپ جانتا تھا کہ اکبر کی پوزیشن اپنے باپ دادا سے زیادہ مستحکم ہے۔ دونوں وقت کے انتظار میں تھے کہ شہنشاہ طہماسپ قتل ہو گیا۔ سیاسی پوزیشن پھر بھی بڑی عجیب و غریب تھی اگر وہ شیعہ سلطان کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خلیفہ وقت کی ماتحتی میں چلا گیا ہے۔ لیکن سیاسی نقطہ نظر کے تحت اکبر صرف اور محض ایک تبدیلی پر اکتفا نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ ایسے اقدامات کرے کہ دونوں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ لہٰذا 1579ء میں اس نے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا جیسا کہ اس کے آباؤ اجداد تیمور 'میر الغ بیگ اور بابر نے کیا تھا جس سے وہ سنی خلیفہ کی دسترس سے باہر ہو گیا اس نے خلیفہ الزماں اور امیرالمومنین کے خطاب استعمال کرنے شروع کر دیئے اور دارالحکومت کو دارالخلافت بنا دیا۔ اپنے نام کے سکے جاری کئے۔ خطبہ جاری ہونے کے تین ماہ کے اندر اندر اس نے علماء سے وہ اختیارات حاصل کر لئے جن

کے تحت وہ شیعہ فرمانروائی سے باہر نکل آیا۔ اس وقت اکبر کا دربار شیعہ علماء سے پُر تھا جن کے تعلقات شہنشاہ ایران کے ساتھ بھی تھے۔ لہٰذا شیعہ اور سنی علماء سے یہ اختیارات حاصل کر کے وہ داخلی اپوزیشن سے محفوظ ہو گیا۔ جس دستاویز کے ذریعہ اکبر نے یہ اختیارات حاصل کئے تھے اسے Mahzar کا نام دیا گیا۔ سمتھ نے اس دستاویز کو Infallilibly کا نام دیا جبکہ دوسرے مورخین اسے سیاسی دستاویز سمجھتے ہیں۔ اس دستاویز کا متن درج ذیل ہے۔

"ہرگاہ کہ اب ہندوستان امن و سلامتی کا مرکز اور انصاف و رحملی کی سر زمین بن چکا ہے لوگوں کی بڑی تعداد خصوصا" علماء نے دوسرے ملکوں سے ہجرت کے بعد اسے اپنا وطن بنا لیا ہے اب ہم جید علماء نے جو قانون کے مختلف شعبوں میں اور قانون دانی کے اصولوں کے ماہر ہیں اور ان قوانین سے اچھی طرح واقف ہیں جن کی بنیاد دلیل یا شہادت پر ہے بلکہ اپنی پارسائی اور نیک ارادوں کے لئے بھی مشہور ہیں جنھوں نے قرآن کی آیت کے معنوں میں اچھی طرح سے سوچ بچار کیا ہے خدا اور اس کے رسولؐ اور ان کی جو تم میں سے با اقتدار ہیں اطاعت کرو اور ثانیا" حقیقی حدیث کے معنوں پر غور کرو یقیناً" وہ شخص جو یوم حساب کو خدا کے نزدیک محبوب ترین ہو گا وہ امام عادل ہو گا۔ جو کوئی امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ تیری اطاعت کرتا ہے اور جو کوئی اس کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ وہ تیرے خلاف بغاوت کرتا ہے اور سوم دیگر متعدد ثبوتوں پر جن کی بنیاد پر استدلال کی شہادت ہے اور ہم اس امر پر متفق ہیں کہ خدا کی نظر میں سلطان عادل کا منصب مجتہد کے منصب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

مزید براں ہم اعلان کرتے ہیں کہ شہنشاہ اسلام امیر المومنین زمین پر ظل سبحانی ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی انتہائی انصاف پسند انتہائی دانشمند اور انتہائی خدا ترس بادشاہ ہے اس لئے مستقبل میں اگر

کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا۔ جس کے بارے میں مجتہدین کی آرا میں اختلاف ہو۔ اور بادشاہ سلامت اپنی دور رس فہم، فراست اور کامل دانائی سے قوم کی فلاح کے لئے اور سیاسی تدبیر کے طور پر ان متضاد آراء میں سے کسی ایک کو جو اس مسئلے پر موجود ہوں اپنانے کا خیال رکھتے ہوں۔ یا اس مقصد کے لئے ایک فرمان جاری کریں تو ہم یہاں اس امر پر اتفاق کرتے ہیں کہ اس قسم کے فرمان کی پابندی ہم پر اور تمام قوم پر لازمی ہو گی۔

مزید براں ہم اعلان کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ سلامت ایک نیا حکم جاری کرنا چاہیں تو ہم پوری قوم اس حکم کے پابند ہوں گے بشرطیکہ اس قسم کا حکم نہ صرف قرآن کی کسی آیت کے مطابق ہو بلکہ قوم کے لئے حقیقی سود مندی کا باعث بھی ہو علاوہ بریں بادشاہ سلامت کی جانب سے منظور کردہ اس قسم کے کسی حکم کی رعایا کی جانب سے مخالفت اگلی دنیا میں لعنت اور دنیا میں جائیداد اور مذہبی مراعات سے محرومی کا باعث ہو گی۔ یہ دستاویز نیک نیتی کے ساتھ خدا کی عظمت اور اسلام کی اشاعت کے لئے لکھی گئی ہے اور اس پر ہم جید علماء و ماہرین قانون نے ماہ رجب سال 987ھ میں دستخط کئے۔"

اس تاریخی دستاویز کا مسودہ شیخ مبارک ناگوری نے پیش کیا اور اس پر سب سے پہلے قاضی جلال الدین ملتانی، صدر جہاں مفتی کل ممالک ہندوستان اور غازی خان بدخشی نے دستخط کئے۔ بعد ازاں ملک بھر سے علماء فضلا، قاضی اور مفتیوں کو طلب کیا گیا جنہوں نے بڑی نیاز مندی سے اس دستاویز پر اپنے دستخط کرکے مہریں ثبت کیں۔

اس اعلان معصومیت کے خلاف شدید رد عمل ہوا۔ جونپور کے قاضی ملا محمد یزدی، قاضی بنگال میر یعقوب، قاضی صدرالدین لاہوری، ملاں عبدالشکور، ملاں محمد معصوم، شیخ منور، میر خضر الملک، قطب الدین کوکا، شہباز خان کمبوہ، بابا خان جیاری اور دیگر بہت سے علماء اور امرا نے اکبر کو

مرتد قرار دیا اور بغاوتیں کیں۔

اکبر جب سنی خلیفہ اور شیعہ شاہ کی دسترس سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس وقت صدر الصدور عبدالنبی اس کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا۔ 78-1577 میں متھرا کے قاضی عبدالرحمان نے شکائت کی کہ ایک برہمن نے مسجد کے لئے اکٹھا کیا گیا سامان زبردستی اٹھوا کر اس سے مندر تعمیر کر لیا ہے۔ اور جب قاضی نے مواخذہ کرنا چاہا تو برہمن نے رسول پاکؐ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے صدر نے برہمن کو وضاحت کے لئے طلب کیا تو اس نے آنے سے انکار کر دیا معاملہ اکبر تک پہنچا۔ اس نے ابوالفضل اور بیربل کو برہمن کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ انکوائری پر معلوم ہوا کہ برہمن نے واقعی رسول پاکؐ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اب معاملہ اس کو سزا دینے کا تھا۔ کچھ کا خیال تھا کہ اسے جرمانہ کی سزا دے کر گدھے پر بٹھا کر گلیوں میں پھرایا جائے۔ صدر الصدور نے اکبر سے جب یہ اجازت چاہی تو حرم کی عورتیں آڑے آ گئیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ برہمن بچ جائے۔ اکبر کی جانب سے قتل کی اجازت نہیں آ رہی تھی۔ دوسری جانب صدر الصدور کا خیال تھا کہ اگر برہمن کو قتل نہ کیا گیا تو ان کی انتہائی سبکی ہو گی۔ لہٰذا انہوں نے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے اکبر کی اجازت کا انتظار کئے بغیر برہمن کو جلدی میں قتل کروادیا۔ چونکہ یہ قتل اکبر کی اجازت کے بغیر ہوا تھا۔ اس لئے اکبر نے عبدالقادر بدایوانی اور دوسرے علماء دین سے اس معاملہ میں گفتگو کی۔ لیکن کوئی بھی صدر کی پوزیشن کو واضع نہ کر سکا۔ اور اس واقعہ کے بعد عبدالنبی جو کہ متعہ کی شادی اور Aymas کی تقسیم کے سلسلہ میں اپنی پوزیشن پہلے ہی خراب کر بیٹھے تھے اپنی پوزیشن کو مزید خراب کر بیٹھے۔ بقول بدایونی اس واقعہ کے بعد عبدالنبی اور مخدوم الملک کو کوئی سلام بھی نہ کرتا تھا۔

شہنشاہ سے قاضی اس وجہ سے نارض تھے کہ ان نے زمینوں کی

تقسیم کا حق واپس لے لیا گیا تھا اور ان کی نظام عدالت سے اجارہ داری ختم کر دی گئی تھی۔ رشوت کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے اور انہیں ان اراضیات سے بے دخل کر دیا گیا تھا جن پر غیر قانونی طور پر عرصہ دراز سے وہ قابض تھے۔ وہ قاضی جنہیں بغاوت کے الزام میں ملازمتوں سے فارغ کر دیا گیا یا جنہیں دور دراز علاقوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا نے گزر اوقات کے لئے مساجد اور مکتب کھول لئے۔ اور اکبر کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ جمعہ کے روز اپنی تقریروں میں اسے مرتد قرار دیتے تھے۔ اور عوام کو جھوٹی سچی کہانیاں سنا سنا کر بھڑکاتے تھے۔ صلح کل پالیسی کو زہر قاتل قرار دیتے ہوئے بے خبر عوام کو یقین دلایا جاتا تھا کہ اکبر اب مسلمان نہیں رہا۔ 1579-80 میں جون پور کے قاضی ملا محمد یزدی جو شیعہ تھا نے Mahzar کو شیعہ مسلک کے خلاف قرار دیتے ہوئے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا۔

جاگیردار اس لئے ناراض ہو گئے کہ ان کی جاگیروں کی باقاعدہ حد بندی کروا کر جاگیر لینڈ کو Khalse لینڈ میں تبدیل کر دیا گیا اور ان پر نئے قوانین نافذ کئے گئے تھے۔ انہیں فوجیوں کے حاضری رجسٹر کھولنے اور گھوڑوں کو داغنے کا حکم دیا گیا تھا لہٰذا انہوں نے شہنشاہ کی آنکھوں سے دور بنگال اور بہار میں اپنی کارروائی شروع کی۔ مزید بنگال اور بہار میں شاہ منصور کے ذاتی حکم کے تحت سپاہیوں کے بھتہ میں بنگال میں 50 فی صد اور بہار میں 20 فی صد کمی نے بھی سپاہیوں کو برگشتہ کر دیا۔ قاضی محمد یزدی کے ساتھ ساتھ بنگال کے قاضی نے بھی فتویٰ جاری کر دیا۔ جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اس طرح بڑے بڑے قاضی و علماء جاگیردار اور سپاہی اکٹھے مل گئے اور انہوں نے کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا۔ انہوں نے اکبر کے سوتیلے بھائی محمد حاکم کو اپنا حکمران تسلیم کر کے اکبر کے خلاف سازش تیار کی پٹنہ کے ایک بڑے جاگیردار معصوم خان تبلائی نے

محمد حاکم سے مل کر مشرق اور مغرب کی جانب حملہ کرنے کی سازش کی شاہ منصور جو کہ شاہی وزیر مال تھا نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ شاہ فارس نے باوجود اس کے کہ اس وقت اچھے حالات میں نہ تھا ماحضر (Mahzar) کے رد عمل میں اپنی فوجیں محمد حاکم کی مدد کے لئے بھجیں۔

جنوری 1580ء میں افغان سردار نے بغاوت کا اعلان کیا معصوم خان کابلی ان کا سردار تھا۔ اور اس کے ساتھ معصوم خان خرخودی' مرزا معین الملک نیابت خان' عرب بہادر' وزیر جمیل' بابا خان کاکشل اور دوسرے سردار ملے ہوئے تھے۔ معصوم خان کابلی نے ٹانڈہ میں مظفر خان کو شکست دی تو اکبر نے ٹوڈرمل کو بنگال بھیجا۔ جس نے بڑی ہوشیاری سے باغیوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دو چار کیا۔ اکبر نے مرزا عزیز کوکا کو بنگال کا گورنر مقرر کیا اور شہباز خان کو راجپوتانہ سے واپس بلا لیا۔ اس بغاوت میں اس قدر شدت تھی کہ باوجود اس کے کہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بڑے بڑے جرنیل نبرو آزما تھے۔ لیکن پھر بھی اکبر کو بنگال کے حالات سدھارنے میں چار سال لگ گئے۔

اس بغاوت میں قاضی یعقوب مانکپوری نے محمد معصوم کابلی کا ساتھ دیا۔ قاضی یعقوب بن ابوالیعقوب حنفی تھے۔ اپنے خسر قاضی فضیلت کی رحلت کے بعد قاضی کے منصب پر فائز ہوئے۔ اکبر کے زمانہ میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ اور مدت تک اس منصب پر فائز رہے۔ متعہ کی شادیوں کے جھگڑے میں معزول ہو کر بنگال کے قاضی مقرر ہوئے۔ بغاوت میں حصہ لینے کے جرم میں قلعہ گوالیار میں قید کا حکم سنایا گیا۔ جہاں پہنچنے سے قبل ہی 1589ء میں انتقال کر گئے۔

جنوری 1580ء میں جب بنگال میں بغاوت ہوئی تو مرزا حکیم نے نورالدین سے مل کر پنجاب پر بھی حملہ کر دیا۔ ایک مہینہ کے اندر اندر بغاوت نے زور پکڑ لیا۔ لہٰذا فروری 1581 میں اکبر نے خود شمال کی جانب

بڑھنا ضروری خیال کیا۔ سازشی شاہ منصور کو گرفتار کر کے قتل کروا دیا گیا۔ خوش قسمتی سے پنجاب کی بغاوت مرزا حکیم کی کم عقلی، عیاشی اور شراب خوری کے باعث زیادہ زور نہ پکڑ سکی۔ اور خود ہی دم توڑ گئی۔ اکبر نے بنگال کی بغاوت فرو ہونے پر جون پور اور بنگال کے قاضیوں اور ان کے شریک جرم دوستوں کو دریا میں غرق کروا دیا۔ اور کئی شیعہ اور سنی علماء کو مختلف دور دراز علاقوں میں تبدیل کر دیا اور بیشتر کو قندھار کی سرحد پر بیچ دیا گیا۔ اور ان کے بدلے فوج کے لئے گھوڑے اور خچر حاصل کئے۔ بغاوت کے فرو ہونے کے بعد اس نے اس مذہبی شعبہ میں بھی اصلاحات نافذ کیں مولویوں کی صوابدید پر مساجد اور مدارس کی تعمیر منع کر دی گئی۔ کوئی غیر تعلیم یافتہ مولوی امامت اور مدرس کے فرائض انجام نہیں دے سکتا تھا۔ عربی زبان کو محدود کرتے ہوئے۔ سائنس، ادب، تاریخ اور حساب کے علوم کو فروغ دیا گیا۔ نومبر 1581 میں لامحدود اختیارات کی حامل صدر الصدور کی آسامی ختم کر دی گئی اور اس کی جگہ چھ درج ذیل صوبائی صدور کی منظوری دی گئی۔

1- پنجاب 2- دہلی، مالوہ اور گجرات 3- آگرہ، کالپی اور کالنجر 4- حاجی پور 5- بہار 6- بنگال

اسی دوران فرقہ "الاہیہ" نے بھی بغاوت کی۔ جس کو اکبر نے فرو کر کے ان میں سے اکثر کو قندھار میں ترکی گھوڑوں کے عوض فروخت کر دیا۔ یہ بغاوت اس وقت وقتی طور پر تو فرو ہو گئی لیکن اس فرقہ نے اکبر کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیا حتیٰ کہ 1585ء میں اسے ہنگامی امدادی فوج استعمال کرنی پڑی۔

یکم دسمبر 1581 کو اکبر واپس دارالخلافہ آیا تو اس نے دوبارہ عبادت خانہ میں ہونے والی بحثوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اب اس نے "چالیس ابدالوں" کی اسمبلی قائم کر دی تھی جو حقائق کو مد نظر رکھ کر فیصلہ

کرتی تھی اور اب ہال میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے پیشوا
بھی موجود تھے۔

اکبر اعظم کا مذہب اور مسلک

دین اسلام کی بنیاد وحدت پر قائم ہے۔ اور قرآن پاک میں اللہ کی اطاعت کے سوا کسی دوسرے کی اطلاعت کا حکم موجود نہیں ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے سلسلہ نبوت ختم کرنے کے لئے اپنا سب سے آخری نبی بنایا۔ اور کسی قوم یا قبیلے کی طرف نہیں بلکہ ساری دنیا کی طرف رسول بناکر بھیجا۔ آپ پر قرآن پاک نازل فرمایا گیا۔ جس میں سابقہ آسمانی کتابوں کی حقیقی اور جاودانی تعلیمات محفوظ ہیں۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ پاک نے لے رکھی ہے اور قیامت تک کوئی طاقت اس میں ایک حرف کا بھی تغیرو تبدل نہیں کر سکتی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کو شرک سے پاک کرکے نئے سرے سے عالم کے جملہ موحدوں کا مرکز بنایا۔ جہاں حج کے موقعہ پر دینی و دنیاوی ملکی اور سیاسی ہر قسم کے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام نے قرآنی ہدایات کو سمجھا اور حکومت الہٰی جو نبی کریم نے قائم کی تھی کے طریق کو دیکھا اور چلایا۔ رسول پاک کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کو خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے مسجد نبوی میں بیعت عام لی گئی۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ جب تک میں اللہ اور رسول کے فرمان پر چلوں تم میری اطاعت کرنا اور جب ان کے خلاف چلوں تو میرا ساتھ چھوڑ دینا۔

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کا انتخاب ارباب شوریٰ کے مشورہ کے بعد نامزدگی کے ذریعہ عمل میں آیا جبکہ خلیفہ ثالث کے لئے تیسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ حضرت عمر نے چھ اصحابہ کو نامزد کرتے ہوئے حکم دیا کہ میرے بعد جمع ہو کر تین دن کے اندر اندر اپنے میں سے ایک کو خلیفہ چن لیں۔ حضرت علی کا انتخاب اگرچہ جداگانہ تھا۔ لیکن ان کی خلافت میں حکومت الہٰی کا مقصد پنہاں تھا۔

رسول اللہ کے بعد ان چاروں خلفاء کا دور حکومت الٰہی کا زمانہ ہے۔ جس میں اعتقاداً" اور عملاً" دین کا اصل مقصد پیش نظر رہا۔ اس دور میں خلیفہ صرف احکام شریعت نافذ کرنے کا مجاز تھا اور تشریح کی بنیاد قرآن اور سنت پر تھی۔ جس امر کے متعلق کوئی تعلیم ان دونوں میں نہ ملتی خلیفہ خود اور اس کے مشیر نظائر پر قیاس کرکے اس کا حکم نکالتے۔ اگر سب متفق ہو جاتے تو اس کو اجماع کہتے اور اگر باہم اختلاف ہوتا تو خلیفہ انہیں میں سے کسی صورت کو ترجیح دے کر اس کے مطابق حکم دے دیتا۔ خلیفہ کو مسائل میں مجتہدوں سے کوئی خاص امتیاز حاصل نہ تھا۔ اس کا فریضہ بس یہ تھا کہ امت کے امور کو قرآن اور اسوہ رسول کی روشنی میں چلاتا رہے۔

25 ربیع الاول 41ھ کو امام حسن سے صلح کی تکمیل کے بعد امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اسی تاریخ سے اسلامی خلافت بادشاہت اور حکومت الٰہی حکومت انسانی میں تبدیل ہو گئی۔ امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد نامزد کیا۔ جو کل تین سال آٹھ ماہ تخت پر رہا۔ اس کے بعد سفیان خاندان سے حکومت نکل کر بنی مروان کے ہاتھ میں آئی۔ اور 132ھ تک چلتی رہی۔ عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت کو اگر نکال دیا جائے تو اموی دور حکومت مذہبی انتشار اور تشیت کا دور ہے اور اس میں دینی قیادت کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے۔ یزید بن عبدالملک اور ولید بن یزید کی نسبت سے مے نوشی اور مغنیات کے راگ سننے کی روائتیں بھی موجود ہیں۔

12 ربیع الاول 132ھ کو امام محمد کے بھائی سفاح کی خلافت کا اعلان ہوتے ہی حکومت بنو امیہ کے ہاتھوں سے نکل کر بنو عباس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور چند سال بعد منصور نے بغداد کو دارالخلافہ بنا لیا۔ عباسوں کے دور میں شخصی حکومت غالب رہی اور ان کا نظام حکومت وہی رہا جو بنی

امیہ کا تھا۔ ولی عہدی کا طریقہ بھی وہی رکھا گیا۔ بلکہ اکثر ایک کے بجائے دو دو تین تین ولی عہد مقرر کرتے تھے۔ جن پر رسول' ملائکہ کے علاوہ جنوں کو بھی گواہ بنایا جاتا تھا۔

رسول پاکؐ کا 23 سالہ عہد نبوت خالص پیغمبرانہ تعلیم اور مربیانہ تربیت تھی۔ آپ کی صحبت سے فیض یاب صحابہ کرام نے خلافت کو ان ہی اصولوں پر چلایا خلیفہ میں شاہانہ تمکنت اور حکومت کی کوئی شان نہ تھی۔ عام لوگوں کی طرح وہ بھی سڑکوں پر پیدل چلتے تھے۔ ان کے ساتھ محافظ ہوتے تھے اور نہ نقیب۔ سب لوگ ان سے ملتے اور سب سے وہ ملتے تھے۔ ان میں اور دوسرے مسلمانوں میں بجز عہد خلافت کے کوئی امتیاز نہ تھا۔ اس خلافت کا کل زمانہ ستائیس سال رہا۔ اور اس عرصہ میں ترکستان سے بحرخزر تک اور افریقہ سے تیونس تک اسلام پھیلا۔ اس دور میں خلیفہ کی ذات میں مرکزیت تھی اور ساری امت اس ایک محور کے گرد گھومتی تھی۔ بنو امیہ کا دور 92 سال رہا۔ اس دور میں سیاسی مرکزیت قائم رہی اور ولید بن عبدالملک کے عہد میں سندھ اور چینی ترکستان اور اندلس فتح ہوئے۔ لیکن اس دور میں ولی عہد نامزد کرنے کے باعث استبداد غالب رہا اور حکومت خاندانی سلطنت بن گئی اور دانستہ ملی وحدت قائم نہ رکھی گئی۔ خلفاء شان و شوکت سے رہتے۔ بیت المال کو ذاتی ملکیت سمجھتے اور جس طرح چاہتے خرچ کرتے تھے۔ اور اس طرح انہوں نے ملت کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ بنو عباس میں سے آٹھ خلفا کا زمانہ تقریباً سو سال رہا۔ یہ لوگ شعائر اسلامی کا احترام رکھتے نمازیں پڑھتے' حج کرتے اور جہاد میں بھی حصہ لیتے لیکن انہوں نے بھی وہی استبداد قائم رکھا جو بنو امیہ کے دور میں تھا اور ملک و ملت کو اپنا اور اپنی اولاد کا غلام بنانے کی کوشش میں رہے۔

بنی امیہ میں سیاسی مرکزیت کے علاوہ قوت حکمرانی موجود تھی۔ لیکن بنی

عباس نے چونکہ خراسانیوں کی مدد سے سلطنت حاصل کی تھی اس لیے نہ تو اس میں مرکزیت تھی اور نہ ہی قوت حکمرانی۔ ساری وزارتیں اور امارتیں موالیوں کے ہاتھ میں تھیں۔ لہٰذا ایرانیوں کی طاقت کے بالمقابل ترکوں کی بھی فوج بھرتی کی گئی۔ لیکن اس ترکی فوج نے غلبہ حاصل کرکے تمام نظام کو درہم برہم کر دیا اور حکومت سلاطین کے ہاتھوں میں چلی گئی اور آخر کار 656ھ میں یہ بے جان خلافت ہلاکو خان کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔ 923ھ میں سلطان سلیم عثمانی نے مصر کو فتح کرکے خلافت حاصل کی۔ لیکن یہ خلفاء عثمانیہ اپنے آپ کو سلطان کہلانا پسند کرتے اور اجتماع ملت میں شریک نہ ہوتے تھے۔ بنو امیہ' عباسی اور عثمانی خلفاء نے کبھی بھی دینی عیادت نہ کی بلکہ دینی مسائل کو علماء کے ہاتھوں میں چھوڑے رکھا۔ علوم دخلیہ کے باعث خیالات اور عقائد پر بڑا اثر پڑا اور نئی نئی مذہبی بحثیں اور اختلاف سامنے آئے۔ مامون الرشید نے ان کو مٹانے کی بے حد کوشش لیکن دین پر علماء کی اجارہ داری کے باعث سخت ناکام ہوا۔ منصور اور ہارون الرشید کے دور میں امام مالک کی "موطاء" کو قانون سلطنت بنانے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ امام ابویوسف نے حنفی فکر کو عباسی سلطنت کا قانون بنایا۔ زوال بغداد کے بعد جب مصر میں عباسی حکومت دوبارہ بحال ہوئی تو یہ حکومت خلیفہ کی بجائے سلاطین کے ہاتھوں میں رہی لیکن پھر بھی اسلامی ممالک کے تاجداروں کو حکومت کی سند خلیفہ ہی دیا کرتے تھے۔

خلفاء راشدین کے دور میں امت کی سیاسی اور دینی مرکزیت موجود تھی۔ امت میں سیاسی اور دینی تفریق موجود نہ تھی۔ خلفاء بنی امیہ کے دور حکومت میں دینی قیادت علماء کے ہاتھوں میں آگئی اور اہل علم طبقہ لوگوں کی رہنمائی کرنے لگا۔ اختلافات کی صورت میں اجتہاد کی تائید کے لئے روائت کا سلسلہ نکالا گیا۔ بنی امیہ کے دور میں روائتیں بہت کم تھیں

لیکن عہد عباسی میں روائت نے باقاعدہ فن کی صورت اختیار کر لی اور ہزاروں آدمیوں نے یہی پیشہ اختیار کیا۔ روایات کے اختلافات کے باعث دینی انتشار پیدا ہوا اور "نتیجتاً" بہت سی جماعتیں پیدا ہو گئیں۔

فقہ میں بھی اختلافات پیدا ہوئے۔ اور فقہ کے پیروکاروں نے رفتہ رفتہ اسی کو اپنا مذہب بنایا اور اس کا نتیجہ امت میں تفریق اور نزاع کی صورت میں نکلا ہر فقہ کے امام الگ ہیں۔ کتابیں الگ ہیں یہاں تک کہ خانہ کعبہ میں چار مصلے بھی الگ الگ ہیں۔ ہندوستان میں سلاطین دہلی کے فکر و عمل میں ایرانی عنصر غالب تھا اور علماء کے دو طبقے تھے۔علماء دیندار اور علماء دنیاوی۔ پہلا طبقہ حکومت وقت سے بے تعلق اور دوسرا طبقہ جاہ و زر کے لئے حکومت کے ساتھ منسلک رہتا تھا۔ افکارو نظریات کے اعتبار سے علماء کے مختلف گروہ تھے اور ایک دوسرے کی خواہشات سے ٹکراتے رہتے تھے۔ ان متصادم نظریات و افکار کے ہجوم میں سلاطین مذہبی رجحان کا تعین کرتے تھے۔ اس وقت مشائخ اور صوفیاء کے دو روحانی سلسلے ہندوستان میں رائج تھے۔ سہروردیہ اور چشتیہ۔ سہروردی سلاطین سے کافی میل جول رکھتے تھے اور شاہی مناصب اور جاگیریں حاصل کرتے جبکہ چشتیہ بزرگ حکومت وقت سے اپنا دامن بچاتے تھے۔ قطب الدین نے مذہبی طبقوں بالخصوص علماء سے اچھے تعلقات رکھے۔ حسن نظامی نے تاج الماثر میں ایبک کے مذہبی رجحانات' جذبات اور احترام شرع کی تعریف کی ہے۔ التمش کے عہد کی عمارتیں اس کے مذہبی احساس و فکر کی آئینہ دار ہیں۔ علماء اور مشائخ سے تعلقات کے باعث التمش کا اگرچہ دائرہ اقتدار بہت بڑھ گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ علماء کی جرات' فکر' بصیرت دینی' حق گوئی اور بے باکی سب درباری ماحول کی نذر ہوگئی تھی اور جب التمش نے رضیہ کو اپنا جانشین بنایا تو کسی ایک عالم نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ بلبن علماء کی دنیا پرستی اور حرص و ہوس سے سخت نالاں تھا

لیکن مشائخ کا نہایت درجہ احترام کرتا تھا۔ معزالدین کیقباد کے دور میں احکام شریعت ماند پڑ گئے اور مسجدیں ویران ہوگئیں۔ سلطان نے نماز اور روزہ ترک کر دیا اور علماء سُو نے اس کی باقاعدہ اجازت دی۔ علماء سُو سلطان کے گرد جمع رہتے اور روپیہ اور اقتدار کی لالچ میں شرعی اور غیر شرعی کاموں میں سلطان کی مدد کے لئے تیار رہتے۔ سلطان جلال الدین خلجی کو بھی علماء اور مشائخ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ علاؤالدین خلجی نے علماء کی سیاسی طاقت کو ختم کرکے امور جہانداری میں ان کے دخل کو بالکل ختم کر دیا۔ اس نے علماء کو سیاست سے نکال کر علمی اور مذہبی کاموں میں لگایا۔ علاؤالدین خلجی صوفیا و مشائخ کا بڑا معتقد تھا۔ ان کا بڑا احترام کرتا تھا اور امور سلطنت میں ان سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ اور مشکلات کے وقت اکثر بزرگوں کی روحانی امداد کا طالب رہتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء عہد علاؤالدین کے سب سے زیادہ نامور اور عظیم المرتبت بزرگ تھے۔

پاک و ہند میں اہل سنت و الجماعت تین بڑے حصوں میں منقسم ہیں۔ عقائد کی رو سے اہل قرآن' اہل حدیث اور اہل سنت ہیں۔ اہل قرآن صرف قرآن کے قائل ہیں۔ اہل حدیث قرآن و حدیث کے قائل ہیں جبکہ اہل سنت قرآن و حدیث کے علاوہ سنت کے بھی قائل ہیں۔ فقہ کی روح سے حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی ہیں جبکہ تصوف کی رو سے نقشبندی' چشتی' سہروردی اور قادری ہیں۔ نقشبندی حضرت بہاؤالدین نقشبندی' چشتی حضرت معین الدین چشتی' قادری حضرت عبدالقادر جیلانی اور سہروردی حضرت شہاب الدین سہروردی کے پیروکار ہیں۔

چغتائی سنی العقیدہ مسلمان تھے۔ تیمور نے انگورا کی لڑائی سے قبل اپنے سنی العقیدہ ہونے کی گواہی دی۔ بعد میں تیموری خاندان اسی عقیدہ پر قائم رہا۔ بابر اور ہمایوں بھی سنی العقیدہ مسلمان تھے۔ اکبر اس لحاظ سے

پیدائشی سنی العقیدہ مسلمان تھا۔

اکبر نماز پڑھتا زکوۃ دیتا اور روزہ رکھتا تھا۔ اکبر پاکیزہ اور بزرگ لوگوں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور ان کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کرتا تھا۔ خوانی نے اپنی کتاب لب الالباب میں لکھا ہے کہ جب اکبر خان زمان خان کا تعاقب کرتے ہوئے جونپور کی طرف بڑھتا ہوا لکھنؤ میں وارد ہوا۔ تو اس نے عبدالنبی کے ذریعہ مولانا الہداد بن کمال الدین بن محمد بن محمد اعظم حسینی کو جو اپنے عہد کے مشہور عالم دین تھے ملاقات کے لئے طلب کیا تاکہ ان کے علم سے فیضیاب ہو سکے لیکن مولانا ہداد نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ اکبر خود اس جامع مسجد میں پہنچ گیا جہاں مولانا ہداد نماز جمعہ پڑھاتے تھے اور انہیں 980ھ میں فتویٰ دہی کے لیے مقرر کیا جس سے مولانا انکار نہ کر سکے۔

ایک اور صوفی نجم الحق سنہوی جو کہ گروہ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے سے اکبر سلطنت کے امور مہمہ کا افتتاح کرواتا اور عبادت خانہ میں ان کے ساتھ مسلسل راتیں گزارتا تھا۔

قاضی صدر الدین قرشی عباسی جو اسباب دنیوی میں بالکل تہی دست رہتے تھے لیکن مرد صالح اور رقت سے بھرپور تھے اور لاہور کے ایک مجذوب شیخ موسیٰ ہداد سے فیضیاب تھے کو اکبر نے شہر بھڑوچ کا قاضی مقرر کیا اور تا وفات 15 رمضان 990ھ اس عہدہ پر فائز رہے۔

قاضی عبدالسمیع النجانی حنفی تھے اور علوم حکمت میں بہت مشہور تھے۔ آپ شیخ مرغینانی (برہان الدین) صاحب ہدائیہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کی علمی دھاک اس قدر تھی کہ شرح مواقف و شرح مطالع اور ان کی حواشی مثال کے طور پر پیش کئے جاتے تھے۔ اکبر نے انہیں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا۔

خواجہ عبدالشہید احراری نقشبندی تھے 1558ء میں جب سمرقند سے

ہندوستان میں وارد ہوئے تو اکبر نے ان کا زبردست استقبال کیا اور انہیں ارض خراجی میں سے جاگیر عطا کی۔

شیخ عبداللہ سرہندی جنہوں نے حرمین میں آئمہ عصر سے حدیث پڑھنے کے بعد سید محمد بن یوسف مہدوی کی مہدویت کے عقیدہ باطلہ سے توبہ کر لی تھی۔ اور القربتہ الی اللہ والی النبی صلعم، مراۃ الصنعا اور الصراط المستقیم کے مصنف تھے کو سرہند میں خود جا کر جاگیر پیش کی۔

علوم حکمیہ میں نامور مولانا محمد بن الحسن لاری کو علی قلی خان کے قتل کے بعد اکبر نے آگرہ میں طلب کیا لیکن وہ دربار میں خان اعظم سے بلند نشست پر نہ بٹھانے پر ناراض ہو گئے۔ اکبر اعظم نے انہیں چار ہزار ایکڑ ارض خراجی کا وثیقہ دے کر سنبھل کی طرف روانہ کیا۔ جہاں انہوں نے بقیہ ساری عمر گزاری۔

گجرات کی فتح سے قبل مجدالدین محمد بن طاہر بن علی حنفی فتنی موئف مجمع بحارالانوار فی غریب الحدیث، مصنف مجمع بحارالانوار فی غرائب التزیل، لطائف الاخبار، تذکرہ الموضاعات اور المفتی فی اسماء الرجال نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ جب تک مہدویت گجرات سے ختم نہیں ہو جاتی وہ سر پر عمامہ نہیں رکھیں گے۔ اکبر نے جب 1574ء میں گجرات کو فتح کیا تو اس نے اپنے ہاتھوں سے شیخ کے سر پر عمامہ بندھوایا اور کہا کہ "میں دین کی نصرت کا ذمہ دار ہوں۔ اور اپنے رضاعی بھائی مرزا عزیز الدین کوکا کو یہ فتنہ فرو کرنے پر مامور کیا۔"

شیخ محمد بن منتخب بن کبیر بن چاند بن منتخب حسینی امروہوی جو سید شرف الدین حسینی النقوی کی نسل سے تھے بڑے بارعب متقی و پارسا اور حدود اللہ کے سخت پابند تھے ان کے سامنے کسی ملحد کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ فتویٰ نویسی اور تدریس پر حاوی تھی۔ اکبر نے ان کی ان صفات کو مدنظر رکھتے ہوئے دارالعدل کی امارت پر متعین کیا۔ بدایونی

کہتا ہے کہ ان کے دور میں قاضی القضاہ بھی مقدمات کے اندر اپنا خبث ظاہر کرنے میں تامل کرتا تھا اور خود سلطان بھی ان سے خائف رہتا تھا۔

جمال خان قورچی کی اس رپورٹ پر کہ آگرہ میں مشہور زمانہ شیخ ضیاء الدین اور شیخ محمد غوث گولیاری پر مفلسی غالب ہے۔ اکبر نے ان دونوں کو بڑے احترام و محبت سے دربار میں بلاکر عبادت خانہ میں رہنے کی جگہ دی۔

ملک محمود بن پیارو حنفی تھے اور طریقت میں سید عرب شاہ حسینی بخاری سے فیضیاب تھے۔ فقہ حدیث میں ماہر اور شعر گوئی میں ملکہ تام تھے۔ اکبر ان کی بڑی قدر کرتا تھا اور انہیں اپنا ہم جلیس مقرر کر رکھا تھا کچھ عرصہ بعد شیخ معین الدین حسن سجزی اجمیری کے مقبرہ کی تولیت بھی ان کے سپرد رہی۔

شیخ منصور ابن ابوالمنصور لاہوری مشہور عالم دین تھے۔ نہایت نازک مزاج اور گفتگو بے مثال کرتے تھے۔ اکبر نے انہیں مالوہ کا قاضی القضاہ مقرر کیا اور بعد میں جنگی مہموں پر تعینات کیا۔

مصنف شرح عقائد' رسالہ اثبات الکلام' ایمان التحقیق و التصدیق شیخ نظام الدین حنفی بدخشی جب 1574ء میں ہندوستان وارد ہوئے تو اکبر نے نہ انہیں صرف تحائف پیش کیے بلکہ مناسب جلیلہ پر فائز کیا اور غازی خان کا خطاب بخشا۔ بدایونی کہتا ہے کہ سلطان کے لیے سجدہ تحیتہ ان کی اختراع تھی۔

1002ء میں خان اعظم مرزا عزیز کوکا کو جو اکبر کی لا مذہبیت سے خفاء ہو کر حجاز چلا گیا تھا واپس آنے پر نہ صرف معاف کر دیا بلکہ وکیل مطلق کے عہدہ پر فائز کیا۔

1003ء میں جب دین الٰہی کا نفاذ ہو چکا تھا ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور انتہائی عبادت گزار سید مرتضٰی کو وزیر فوج مقرر کیا۔

اکبر بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دیتا اور ان کی ارواح سے مدد طلب کرتا تھا۔ نیازیں تقسیم کرتا اور منتیں اتارتا تھا۔ اکبر اکثر اولیاء کرام کے مزارات پر نرینہ اولاد کے لئے دعا گو رہتا تھا۔ 12 ربیع الاول 975ھ میں جب حضرت سلیم چشتیؒ کی دعا سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اس موقع پر اکبر ننگے پاؤں حضرت خواجہ غریب نواز کے مزار پر حاضر ہوا اکبر پہلے اجمیر شریف اور پھر اجودھن (پاک پتن) گیا اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے مزار پر حاضری دی۔

حضرت سلیم چشتیؒ سے وہ والہانہ عقیدت رکھتا تھا اور ان کی مسجد میں خود جھاڑو دیا کرتا تھا۔ شہزادہ سلیم کی پیدائش کے بعد وہ دن کے مختلف اوقات میں حضرت سلیم چشتیؒ کی چھوٹی سی کوٹھڑی میں صوفیوں کے انداز میں بیٹھ کر "یاہو" اور یا "ہادی" کا ورد کیا کرتا تھا۔ تزک جہانگیری میں اکبر کا ذکر کرتے ہوئے جہانگیر کہتا ہے" اکبر کسی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہتا تھا" اکبر کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ تنہائی میں بیٹھ کر "اللہ ہو" اور "یا ہادی" کا ورد کرتا رہے۔ اسی خواہش کی تکمیل کے لئے اس نے ایک عبادت خانہ تعمیر کروایا۔ جس میں ابتدائی طور پر صرف سید زادوں۔ سنی العقیدہ اس وقت کے جید علماء داخل ہو کر عبادت میں شریک ہو سکتے تھے وہ ان جید علماء سے ان پڑھ ہونے کے باوجود قرآن و حدیث کے حوالہ سے خدا' قانون' پارسائی اور آداب محفل جیسے معاملات کے علاوہ نکاح' طلاق' متعہ کی شادی ، پہلے تین خلفاء کی تقرری' باغ فدک اور جنگ صفین جیسے متنازعہ مسائل پر تحقیقی گفتگو کیا کرتا تھا۔

اکبر کا دستور تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ نقدی رکھتا اور مانگنے والے کو کچھ نہ کچھ دیتا تھا۔ ایک مرتبہ کابل سے واپسی پر اس نے راستہ میں ہر ملنے والے فقیر کو ایک سونے کا سکہ دیا جن کی تعداد تقریباً 300 تک پہنچ گئی۔ ایک بار فتح پور سیکری میں اکبر نے انوپ تلاؤ کو سکوں سے بھروایا

اور بعد میں یہ سکے اس نے درباریوں اور غرباء میں تقسیم کر دیئے۔

اکبر نے ہندو اور مسلمان غریبوں کے لئے فتح پور سیکری میں لنگر خانے تعمیر کروائے یہ خیر پورہ اور دھرم پورہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ جب ان لنگر خانوں میں کثیر تعداد میں جوگیوں نے آنا شروع کر دیا تو ان کے لئے الگ لنگر خانہ بنوایا جو جوگی پورہ کے نام سے مشہور ہوا۔

اکبر سادات کی بے انتہا قدر کرتا تھا۔ وہ اپنے عبادت خانے میں سادات کو ہمیشہ فوقیت دیتا تھا۔ ایک موقع پر جب محمد مرک نے خان زمان سے مل کر بغاوت کی تو اکبر نے محمد مرک کو سید ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا جبکہ خان زمان کو قتل کروا دیا۔ اسی طرح بیرم خان نے جب ذاتی مخالفت کی بنا پر سید ابوالمعالی کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تو اکبر نے اس مشورہ کو سختی سے رد کر دیا۔ وہ غریب اور مستحق لوگوں میں جی کھول کر خیرات تقسیم کرتا تھا اس نے 77- 1576 میں محکمہ حج قائم کیا اور اجمیر شریف کے خواجگاں میں سے امیر حج مقرر کیا سولہ لاکھ روپیہ اور بارہ سو لباس فاخرہ شریف مکہ کو بھجوائے۔ اکبر کا حکم تھا کہ جو شخص بھی حج پر جائے گا۔ اس کے تمام اخراجات سلطنت کے ذمہ ہوں گے۔

خان بیرم خان کے زوال کے بعد شیعہ صدرالصدور شیخ گدائی کو برطرف کر کے اکبر نے اس عہدہ پر سنی عالم عبدالنبی کو مقرر کیا جبکہ مخدوم الملک کے عہدہ پر عبداللہ سلطانپوری متعین ہوئے۔ اور سلطنت میں سنی فقہ نافذ العمل کیا اور اسی فقہ کے تحت صدرالصدور اور مخدوم الملک فیصلے صادر کرتے تھے۔ دونوں پکے سنی تھے۔ اور اسلامی قوانین کی اعلیٰ روایات سے واقف تھے۔

صدر الصدور عبدالنبی شیخ عبدالقدوس کے بیٹے تھے جو گانگو کے رہنے والے تھے اور اعلیٰ درجہ کے بزرگ عالم تھے بے شمار حج کر چکے تھے۔ اکبر ان سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا وہ ان سے قرآن و حدیث کا سبق

لیتا اور ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ عبداللہ سلطانپوری انصاری تھے اور بہت مشہور سکالر تھے اکبر کے باپ ہمایوں نے انہیں سلطنت کا اعلیٰ اعزاز مخدوم الملک عطا کیا تھا اور وہ اکبر کے دور میں عدالتی نظام کے سربراہ تھے۔

صدر الصدور عبدالنبی نے اپنے عہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مرضی سے سنی لوگوں کو جیسے چاہا اور جتنا چاہا جی بھر کر نوازا جبکہ عبداللہ سلطانپوری نے اپنے مخالفین کو بڑی سخت سزائیں دیں یہ وہ وقت تھا جب ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کئی لوگوں نے مہدی ہونے کا اعلان کیا تھا۔ ان سنی علماء نے ان لوگوں کو بڑی سخت سزائیں دیں اور اکبر اپنے سنی عقیدہ کی بنا پر نہ صرف خاموش رہا بلکہ چتوڑ پر حملہ کے وقت فیضی جس کے خیالات کا اکبر معترف تھا کی شکل دیکھنے سے بھی انکار کر دیا اور شیخ مبارک کو اس لئے گرفتار کرنے کا حکم دیا کہ اس کا تعلق مہدی تحریک سے تھا۔ سنی مسلک اکبر کے دور حکومت میں 16 سال تک 1564 سے 1576 تک چھایا رہا۔ عقیدہ کے لحاظ سے بڑا جانبدارانہ اور ایذا رسانی کا دور تھا۔ مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری جو کہ سلطنت کے چیف قاضی تھے بہت سے غیر سنی لوگوں کی موت کے ذمہ دار ٹھہرے اور شیعہ سنی خانہ جنگی بھی سنی علماء کی انتہا پسندی کے باعث ہوئی۔ مہدیوں کو وہ اسلام کے لئے تباہ کن تصور کرتے اور کڑی سزائیں سناتے تھے۔

جب عبادت خانہ شروع ہوا۔ تو اکبر نے سنی العقیدہ ہونے کی وجہ سے اسے صرف اور صرف سنی العقیدہ لوگوں کے لئے وقف کیا۔ لیکن صدر الصدور اور مخدوم الملک کی غیر معیاری اور بے دلیل گفتگو نے اکبر کو خفا کر دیا۔ آخر اکبر نے انہیں تنبیہہ کی کہ وہ اپنے آپ کو درست کریں۔ دراصل ان دونوں عالموں کے طرز عمل اور غرور نے ابراہیم سرہندی، ابوالفضل، فیضی اور بدایونی کو اکبر کے بہت قریب کر دیا۔ شادیوں

اور حج سے متعلق ان دونوں عالموں کی گفتگو سطحی ہوتی اور اس گفتگو میں مذہب سے زیادہ ذاتیات شامل ہوتی تھی۔ برہمن کا قتل شاہی خصوصی اختیارات سے تجاوز تھا۔ حساب کتاب اور اراضی کی تقسیم میں سلطنت کے مفاد کو نقصان پہنچایا گیا۔ اس سے عبدالنبی کا کردار داغدار ہوا۔ شادی کے مسئلہ پر بدایونی کے اس فتویٰ نے کہ شادی چاروں فقہ کے مطابق کی جا سکتی ہے۔ عبدالنبی اور عبداللہ سلطانپوری کی پوزیشن کو غیر مستحکم کر دیا۔ ایک عالم کا ایک چیز کو شرع کے مطابق کہنا اور دوسرے کا اسے غیر شرعی کہنے نے اکبر کو بے اعتمادی کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ اسی طرز عمل نے سنی علماء کو اکبر کی نظر سے گرا دیا۔ اور اس نے شیعہ اور پھر غیر مسلموں کو بھی عبادت خانے میں آنے کی دعوت دی۔ حساب کتاب اور اراضیات کے معاملات پر ایک ہندو وزیر ٹوڈرمل کو لگا دیا۔ رد عمل میں سنی علماء اکبر کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے بنگال کی لڑائی میں باقاعدہ حصہ لیا۔ بنگال کی بغاوت کو کچلنے کے بعد اس بغاوت کی وجوہات کو بھی ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اور ان علماء کی جاگیریں اور جائدادیں ضبط کر کے انہیں مالی [illegible] مکمل طور پر غیر مستحکم کر دیا گیا۔ صدر الصدور کا سلطنت میں پورے مذہبی معاملات پر کنٹرول تھا۔ لہٰذا اس آسامی کو سلطنت کے لئے خطرناک تصور کرتے ہوئے ختم کر دیا گیا . اور سلطنت کو چھ صدور میں تقسیم کر دیا گیا۔ 1580 ء میں عبدالنبی کو 70000 روپے دے کر مکہ روانہ کر دیا گیا اور ہدایت کی کہ واپسی پر اس رقم کے خرچہ کا حساب دیا جائے۔ وہ 1581ء میں ہندوستان لوٹے۔ معافی کی درخواست دی۔ سلطان نے ٹوڈرمل کو بھیج کر ان کی دولت کا حساب لیا جو وہ نہ دے سکا اور انہیں قید کر دیا گیا۔ کتاب ماثرالامرا کے مطابق سلطان نے انہیں محاسبہ کے لئے حبس میں بھجوا کر ابوالفضل کو بھیجا جس نے ان کا گلہ دبا کر ختم کر دیا۔ کچھ کا خیال ہے۔ کہ چند دنوں بعد اس نے خود کشی کر لی

تھی - عبداللہ سلطانپوری کو بھی مکہ مکرمہ بھیجا گیا۔ مولانا جب مکہ مکرمہ کی سرائے میں داخل ہوئے تو شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی ان کی تعظیم کے لئے آگے بڑھے اور ان کو زہر دے کر ختم کر دیا۔

اکبر پر ایرانی اور شیعہ مسلک کے اثرات

حضرت عثمان کے قصاص خون کے مطالبہ میں امیر معاویہ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اس موقعہ پر حضرت علی کا ساتھ دینے والے شیعان علی کہلوائے۔ یہ لوگ حضرت علی کو خلافت کا جائز وارث اور مستحق تسلیم کرتے اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے سانحہ کربلا کے بعد شیعان علی تین گروپوں امامیہ' زیدیہ اور کیسانیہ میں تقسیم ہو گئے امامیہ فرقہ خلافت کا حقدار صرف حضرت علی کی فاطمی اولاد کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور خود کو اثنا عشریہ کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بارویں امام حضرت ابوالقاسم محمد جو پانچ سال کی عمر میں مخلوق کی نظر سے غائب ہیں قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہوں گے۔ اور ساری دنیا میں ان کی حکومت ہو گی اور وہی امام مہدی ہوں گے زیدیہ اور کسیانیہ فرقے حضرت علی کی غیر فاطمی اولاد امام محمد بن حنفیہ کو بھی خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ ایک اور فرقہ جو محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کو امام مانتا ہے اسماعیلیہ کہلاتا ہے یہ بھی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اسماعیلیؒ اور داؤدی (جو بوہرے بھی کہلاتے ہیں)۔ اسماعیلی عقائد کو پھیلانے میں حسن بن صباح نے بڑا کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ قرامطی فرقہ بھی وجود میں آیا جو رحمدان قرامطہ کو امام مہدی کا نائب مانتے تھے۔ وحی اور زکوٰۃ کو بے معنی تصور کرتے' نماز چار رکعت پڑھتے اور نماز کے بعد تلاوت قرآن پاک کی بجائے استفتاح پڑھتے تھے وہ احمد بن حنفیہ بن علی ابن ابی طالب کو بھی مانتے۔ اتوار اور جمعہ کو مبارک خیال کرتے خانہ کعبہ کی بجائے بیت المقدس کو اپنا قبلہ مانتے نیند کو حرام اور شراب کو حلال کہتے تھے۔ انہوں نے اذان میں اشہدو ان محمد بن حنیفہ الرسول اللہ کے الفاظ بھی بڑھائے۔ یہ فرقہ اپنے اندرونی اختلافات کے باعث آپس میں لڑ لڑ کر خود

ہی تباہ ہو گیا۔ شیعہ فرقہ میں مہدی کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ رجعت کا عقیدہ بھی موجود ہے۔ یعنی ظہور مہدی کے بعد حضرت علیؓ امام حسنؓ امام حسین دنیا میں دوبارہ واپس آئیں گے۔ اور ان کے مخالفین حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ معاویہ و یزید بھی لائے جائیں گے۔ اور انہیں سزائیں دی جائیں گی۔ شریف مرتضیٰ لکھتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو مہدی کے زمانہ میں ایک درخت پر سولی دی جائے گی۔

شیعہ فقہ میں تقیہ کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اس سے مراد اپنے عقیدے کو چھپائے رکھنا اور عمل سے شیعیت کا شبہ نہ ہونے دینا ہے۔ اہل تشیع کی احادیث کی معتبر کتاب الکافی میں حضرت امام جعفر سے مروی ہے کہ دین کا 9% حصہ تقیہ ہے۔ اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے۔ حضرت امام رضا سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ کا دین ہے۔ جس میں تقیہ نہیں اس میں اساس ایمان نہیں۔

شیعہ فرقے خلفاء ثلاثہ کو ظالم اور غاصب قرار دیتے ہیں ان سے نفرت اور عداوت رکھتے ہیں اور تبرا کرتے ہیں۔ نہج البلاغہ جو حضرت علی کے خطبات اور ارشاد گرامی پر مشتمل مستند کتاب ہے میں حضرت علی کا ایک مشہور خطبہ شقشقیہ کے نام سے منقول ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ”رسول اللہ کی وفات کے بعد ہر سہ خلفاء نے ان کے حق خلافت کو جو انہیں ورا ثتاً ملنا تھا غصب کر لیا۔ میں نے ان حالات پر صبر کیا اور اپنی میراث کو تاراج ہوتے دیکھتا رہا“۔ الکافی میں حضرت جعفر صادق سے روائت ہے کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن سے اللہ نہ کلام کرے گا اور نہ ان کے گناہ بخشے گا۔ بلکہ ان کو درد ناک عذاب دے گا۔ ایک وہ جس نے امامت کا دعویٰ کیا اور اس کا اہل نہ تھا۔ دوسرا وہ جس نے اللہ کے متعین کیے ہوئے امام کا انکار کیا اور تیسرا وہ جو خیال رکھتا ہے

کہ ابوبکر اور عمر میں اسلام کا کوئی شائبہ بھی ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق سوائے شیعہ کے سارے مسلمان کافر ہیں اور رسول اللہ کے بعد (بجز چند اصحابہ کے جو حضرت علی کی خلافت کے خواہاں تھے) تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ ان وجوہات سے وہ خلفاء ثلاثہ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ پر تبرا کرتے ہیں اور اس کو اپنے لیے قرب ثواب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ الکافی کی روایات میں ان حضرات پر تبرہ بھیجنے کے لیے خاص ماثورہ دعائیں درج ہیں۔

شیعی حدیث و فقہ کا بڑا مرجع حضرت امام جعفر کی ذات ہے۔ اس لئے اسے مذہب جعفری بھی کہا جاتا ہے۔ سینوں اور شیعوں کی احادیث فقہ میں بے شمار اختلافات موجود ہیں۔ لیکن تین مسئلوں میں اہل سنت سے الگ ہو کر شیعوں نے اپنے فرقہ کا امتیاز قائم کیا۔

1- وضو میں پاؤں کو دھونے کی بجائے ان پر مسح کرتے ہیں۔
2- اذان میں حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیرالعمل پکارتے ہیں۔
3- متعہ کو جائز سمجھتے ہیں جو سینوں کے ہاں شروع سے بالاتفاق حرام ہے۔

(متعہ ایک معین مہر پر معین مدت کے لئے نکاح کو کہتے ہیں۔ اس میں نہ تعداد کی حد ہے نہ گواہ کی ضرورت نہ وراثت ہے اور نہ طلاق۔ عدت گزرنے کے بعد نکاح خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔)

اہل تشیع نے نادر شاہ ایرانی کے دور حکومت میں خانہ کعبہ میں اپنا الگ مصلیٰ قائم کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ لیکن محمود خان اور ترکی کے شیخ السلام نے نہ مذہب جعفری کی صحت کو تسلیم کیا اور نہ کعبے میں انکا کا مصلیٰ منظور کیا۔

1502 میں شیعوں کی سلطنت ایران میں قائم ہوئی۔اہل ایران نے کبھی بھی پہلے تین خلفاء کو سچے دل سے نہیں مانا اور وہ کعبہ پر کنٹرول کے

باوجود امویوں، عباسیوں اور عثمانی خلفا کو تسلیم نہیں کرتے اگرچہ ایرانی اسلام قبول کرچکے تھے لیکن ان کا عربوں کے ساتھ اتحاد ایسے ہی تھا جیسے چینیوں کا منگولوں کے ساتھ تھا واقعہ کربلا کے بعد ان لوگوں میں بنی امیہ کے خلاف نفرت پیدا ہوئی اور وہ اہل بیت کے حامی بن گئے۔ نو مسلم عجمی قومیں جو بنی امیہ کے استبداد سے تنگ آگئی تھیں اس جماعت میں شامل ہو گئیں ایرانی امراء و رؤسا اس خیال سے ان آئمہ کے حامی ہو گئے کہ ان کے ہاں سلطنت کی وراثت شاہی نسل میں چلتی تھی اور وہ اس لحاظ سے رسول اللہ کے جانشینی کا حقدار صرف اہل بیت کو سمجھتے تھے - ایرانی حکومتوں کو جب بھی موقعہ ملا وہ اپنی مذہبی برتری کے لئے کوشاں رہے۔ یہاں تک کہ سمرقند اور ہندوستان کے تیموری بادشاہ بھی ان کی اس حکمت عملی سے متاثر ہوئے۔ بابر اور ہمایوں بھی اس کی زد میں آئے۔ اور انہوں نے سیاسی مصلحت کے تحت ہی سہی شیعہ شہنشاہ ایران کی برتری کو تسلیم کیا۔

بابر پیدائشی سنی العقیدہ مسلمان تھا۔ لیکن جب اسے اپنی موروثی سلطنت فرغانہ اور سمر قند کو حاصل کرنے کے لئے سنی خلیفہ وقت اور شیعہ شہنشاہ ایران میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو اس نے جغرافیائی نقطہ نظر اور اپنے مخدوش حالات کے پیش نظر شیعہ مسلک کو اپنایا۔ اور شہنشاہ ایران سے شیعہ خلعت قبول کی۔ اپنی فوج کے مغل سپاہیوں کو ایرانی ٹوپی پہننے کا حکم دیا۔ بلکہ اس ایرانی ٹوپی کو فوج کی وردی میں شامل کر دیا گیا لیکن شیعہ مسلک کا یہ اعتراف اعتقاد کی صورت میں ہرگز نہ تھا۔ جیسے ہی بابر کو موقع ملا اس نے شیعہ مسلک کو چھوڑ دیا بلکہ ہندوستان پر اپنی سلطنت قائم ہونے پر اس نے ایسے تمام سکے ختم کر دیئے جن کا کسی حوالہ سے بھی شیعہ مسلک سے تعلق بنتا تھا۔

ہمایوں بھی اپنے باپ کی طرح سنی العقیدہ تھا۔ لیکن اس نے بھی

اپنے دور گردش میں شیعہ شاہ ایران طہماسپ سے نہ صرف شیعہ خلعت قبول کی بلکہ وہ اس کے دربار میں بطور مصاحب بھی کام کرتا رہا۔ شاہ طہماسپ کے دربار میں جب تک ہمایوں کا خاندان رہا۔ وہ شیعہ روایات کو تسلیم کرتا رہا۔ ہمایوں کی بیوی حمیدہ بانو ایرانی نژاد تھی اور ایک فارسی صوفی شیخ علی اکبر کی بیٹی تھی جن کا تعلق سید بزرگوار شیخ ژندہ پیل احمد جام کے خاندان سے تھا۔

سفینہ دارا شکوہ کے مطابق شیخ الاسلام احمد جام ژندہ پیل حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کی اولاد سے تھے۔ جن کو حضرت عمر اس امت کا یوسف کہا کرتے تھے آپ کی پیدائش 440ھ میں موضع نامق میں ہوئی۔ بائیس سال عمر تک آپ امی تھے اس کے بعد ریاضت اور محنت سے تمام علوم سے آشنا ہوئے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد 300 کے قریب ہے آپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمی تائب ہوئے اور ایک لاکھ اسی ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ خواجہ مودود چشتی آپ کے بڑے معتقد تھے آپ نے پچانوے سال کی عمر پائی اور 536ھ میں وفات پائی۔ آپ کثیر الاولاد تھے انتالیس بیٹے اور تیس بیٹیاں رکھتے تھے۔

شیعہ خاندان کے قریبی روابط نے اکبر کے دماغ کو بھی کسی حد تک ان کے قریب کر دیا تھا۔ اکبر کا بچپن ایران میں ایرانی لوک کہانیوں اور ان کی روایات و رسومات میں گزرا۔ جن کا اثر اکبر کے دماغ پر موجود تھا۔ جب وہ ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آیا تو بیرم خان اور فارسی حکمران کے مقرر کردہ افسران اور اہلکاران کی وجہ سے وہ شیعہ مسلک کے زیر اثر رہا۔ جب اکبر 1556ء میں سولہ سال کی عمر میں ہندوستان کا بادشاہ بنا تو بیرم خان جس کے شہنشاہ ایران کے ساتھ بڑے گہرے روابط تھے۔ اس کا اتالیق مقرر تھا۔ اکبر کے ابتدائی دور حکومت میں بیرم خان حکومت پر مکمل چھایا رہا یہ ہی نہیں بلکہ اس وقت تمام مذہبی انتظامیہ شیعہ تھی۔

تردوی خان کو قتل کروانے کے بعد بیرم خان کلی طور پر سلطنت پر چھا گیا تھا۔ اکبر نے اسے خان خاناں کا خطاب دیا اور وکیل السلطنت بنا کر تمام ملکی مہمات اس کے سپرد کر دی تھیں بیرم خان نے شاہ ابوالمعالی کو بھی ذاتی مخالفت کی بنا پر قتل کروانے کا ارادہ کیا لیکن اکبر کمسن ہونے کے باوجود ایک سید زادے کو قتل کروانے پر راضی نہ ہوا۔ بیرم خان کے زوال کی ایک وجہ حرم میں شیعہ مسلک کے خلاف جذبات تھے۔ اس دور میں عبدالصمد بن جلال بن فضل دہلوی جو شیخ گدائی کے نام سے مشہور تھے اور جنہیں ہمایوں کا قرب حاصل رہا تھا کو صدرالصدور کے عہدہ پر بیرم خان کی وجہ سے فائز کیا گیا۔ یہ صاحب وجد صوفی تھے۔ اکبر کا مذہبی جھکاؤ بھی اس جانب ہو گیا تھا۔ اور وہ شیخ گدائی کے گھر جا کر قرآن و حدیث کا سبق لیا کرتا تھا۔ ابتدائی دور میں شیعہ مسلک کا اس پر اس قدر اثر تھا کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔

شیخ عبداللطیف بن یحیٰی المعصوم الحسینی الیفی القروینی شاہ ایران طہماسپ شاہ صفوی کے دور میں بھاگ کر گیلانات کی طرف چلے گئے پھر سلطان ہمایوں کی دعوت پر ہندوستان آئے۔ لیکن ان کے ہندوستان پہنچنے سے قبل سلطان ہمایوں فوت ہو گیا۔ لہٰذا سلطان اکبر نے ان کا استقبال کیا اور فتح پور میں سکونت کی اجازت دی اور ان سے دیوان حافظ کا ایک حصہ پڑھا۔ اکبر اپنے استاد شاہ عبداللطیف کی دی گئی تعلیمات سے بھی بہت متاثر تھا اور اس نے اپنی زندگی میں ان کی لکھی گئی کتاب "صلح کل" میں دئے گئے اصولوں کے مطابق گزاری۔ بیرم خان کے خاتمہ کے بعد شیعہ مسلک کی برتری ختم ہو گئی۔ شیعہ صدر الصدور کو بھی برطرف کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ سنی صدرالصدور مقرر کیا گیا۔ یہ دور 1556 سے 1563ء تک رہا۔ اس کے بعد 1564ء سے 1578ء تک سنی مسلک کی حکومت رہی۔

عبادت خانے کی تعمیر کے بعد اس کے ابتدائی دور میں اس میں صرف

سنی العقیدہ سید زادوں اور اسی مسلک کے علماء و فضلا کے داخلہ کی اجازت تھی۔ اور اکبر اسی عقیدہ کے لوگوں کے ساتھ عبادت اور مذہبی بحث کر کے خوش ہوتا تھا۔ اکبر کی چونکہ بہت سی بیویاں تھیں اس لئے شریعت کی رو سے بیویوں کی تعداد اور متعہ کی شادی سے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا۔ اس بحث نے بہت طول پکڑا۔ اور سنی علماء آپس کے اختلافات کے باعث اکبر کو مطمئن نہ کر سکے۔ لہٰذا اس نے عبادت خانہ کے دروازے شیعہ مسلک کے عالموں کے لئے بھی کھول دیئے۔ اس دور میں تین شیعہ عالم بھائیوں' حکیم ابوالفتح' حکیم ہمام اور حکیم نورالدین نے اکبر کو بہت متاثر کیا۔ یہ تینوں بھائی 972ھ میں شاہ طہماسپ صفوی کے دور میں ایران سے ہندوستان آئے۔ یہ تینوں ذکاوت و ذہانت میں ممتاز اور طبابت میں حاذق تھے۔ حکیم ابوالفتح نے شرح قانونچہ' شرح اخلاق ناصری اور چار باغ لکھیں۔اکبر ان تینوں بھائیوں کی نہ صرف دینی قابلیت کی وجہ سے عزت کرتا تھا بلکہ وہ انہیں بہترین انسان بھی مانتا تھا۔ ابوالفتح جو کہ بھائیوں میں بڑا تھا زبردست مقرر تھا۔ اور اس کی تقاریر مسحور کن ہوا کرتی تھیں۔ اس نے بو علی سینا کی کتاب "قانون" پر اعلیٰ درجے کی شرح لکھی حدیث و اخلاق کے چند رسالوں کے علاوہ مکتوبات کا ایک مجموعہ چار باغ لکھا جو انشاپردازی کا نادر نمونہ ہے۔ اکبر اس پر بڑا مہربان تھا۔ اور اسے اس نے ایک ہزار فوج کا کمانڈر اور "وکیل" کے اختیارات بھی دے رکھے تھے۔ حاجی ابراہیم سرہندی حنفی جو مناظرے میں نہایت طلیق اللسان تھے ابوالفتح کی مخالفت کے باعث گجرات کی صدارت سے معزول ہو کر قلعہ رنتھبور میں نظر بند ہوئے اور وہیں اس کی نعش ایک کپڑے میں لپٹی ہوئی ملی۔حکیم ہمام اکبر کا اتنا قریبی دوست بن گیا تھا کہ اکبر اکثر کہا کرتا تھا کہ ہمام کے بغیر کھانے کا مزا ہی نہیں آتا۔ ان کا تیسرا بھائی نورالدین تھا جسے حکیم ابوالفتح کی سفارش پر لاہور کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا اس نے

اس دوران شیعہ مسلک کی مشہور زمانہ کتاب "مجلس المومنین" لکھی۔ ایک اور شیعہ عالم جس نے اکبر کے دور حکومت میں سیاسی اور مذہبی حلقوں میں بڑا نام پیدا کیا ملا محمد یزدی (Yazdi) تھا۔

قاضی محمد بن ابیہ شیعی یزدی المعروف یزدی 984ھ میں ایران سے ہندوستان آیا۔ اکبر نے 1572ء میں اسے جونپور کا قاضی مقرر کیا۔ وہ اہل سنت کے خلاف بے حد متعصب تھا اور خلفائے ثلاثہ پر طعن و تشنیع میں بہت زبان دراز تھا وہ صحابہ اور تابعین پر برسر عام تنقید کرتا تھا اور اسی بے ہودگی کی وجہ سے اس کا لقب یزیدی پڑ گیا۔ جب محمد معصوم کابلی نے بنگال میں اکبر کے خلاف بغاوت کی تو یزدی نے اس کا ساتھ دیا۔ اکبر نے اس کی مشکیں باندھ کر دریا میں ڈبو دیا۔ بدایونی کہتا ہے۔ کہ" یزدی اکبر کے ساتھ تعلقات کی بنا پر کھلم کھلا صحابہ کرام کو گالیاں دیتا اور ان کے متعلق عجیب و غریب کہانیاں سناتا تھا۔ اس نے اکبر کو شیعہ بنانے کی پوری پوری کوشش کی اور اس نے بیرم خان ۔ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح کے ساتھ مل کر بادشاہ کو اسلام سے گمراہ کر دیا تھا۔"

اس زمانہ میں احمد بن نصراللہ الشیعی بھی اکبر اعظم سے ملا۔ یہ حضرت عمر بن خطاب کی نسل سے تھے پہلے سنی تھے لیکن شیعہ علماء کی صحبت میں شیعی علم کلام و احادیث پڑھیں تو شیعہ ہو گئے۔ اکبر نے اسے تاریخ عالم کی تالیف پر لگایا جس کا نام الفی رکھا گیا۔ اس کتاب میں آغاز اسلام سے لے کر چنگیز خان تاتاری کے عہد تک کی تاریخ مذکور ہے۔ بدایوانی کہتا ہے کہ" شیخ احمد بہت بڑا فاضل تھا لیکن اسے اپنے صاحب دعوت ہونے کا خبط اور اہل سنت کے ساتھ مناظرہ کرنے کا بڑا شوق تھا اور سونے پر سہاگہ نہایت بدزبان بھی تھا۔ اس نے خاتمۃ الحیاۃ نامی کتاب لکھی اور یہ کتاب حکیم ابوالفتح گیلانی کی ترغیب پر لکھی گئی۔"

ابراہیم عادل شاہ نے جب 1583ء میں فتح اللہ ابن شکراللہ شیعی

الشیرازی کو بیجاپور سے جلاوطن کر دیا تو وہ آگرہ آگیا۔ اکبراعظم نے اس مصنف اور محقق کا جس نے منہج الصادقین (تفسیرالقران در فارسی) حاشیہ دو آنی علی تہذیب المنطق اور حاشیہ پر حاشیہ نمبر 2 تحریر کیں' خودبخود چلنے والی چکی' دور اور نزدیک سے مختلف اشکال دکھانے والا آئینہ بیک وقت بارہ راؤنڈ نکالنے والی بندوق اور دورہ شمسہ پر مبنی کیلنڈر ایجاد کیا تھا کا پرتپاک استقبال کیا۔ 1585ء میں صدارت کے عہدہ پر فائز کیا اور وزیروں میں شامل کیا اکبر اس کی موت پر بڑا غمگین ہوا اور کہا کہ" اگر شیرازی کو فرنگی گرفتار کر لیتے تو وہ انہیں اپنا تمام مال خزانہ بطور جزیہ دے کر اسے رہا کروا لیتا۔"

دراصل عبادت خانے میں سنی العقیدہ علماء کے آپس میں دینی اختلافات اور ان کی طرف سے احادیث وفقہ کی اپنے اپنے نظریات کے تحت کی گئی تشریحات نے مستند احادیث‌اور فقہ کی کتابوں کی کسی حد تک افادیت کو کم کر دیا اور اکبر نے دین میں نت نئی تشریحات کے نتیجہ میں تحریک فیضان نبوت اور پیغمبروں کے معجزات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ایک مسلمان اگر قرآنی تعلیمات پر عمل نہ بھی کرے تو بھی مسلمان رہ سکتا ہے۔ چنانچہ شیعہ علماء بھی اس مذہبی بحث میں شامل ہو گئے اور انہوں نے بھی نہ صرف قرآن و احادیث اور فقہ کی اپنے نظریات کے مطابق تشریحات پیش کیں بلکہ صحابہ کرام سے متعلق مختلف اختلافی روایات بیان کرنا شروع کر دیں تو اکبر نے ان علماء کی جہالت اور غیر لچکدار رویئے سے تنگ آ کر خود مذہب کے معاملہ پر سوچنا چھوڑ دیا اور مذہب کے معاملہ میں چھان بین اور فیصلے کرنے کے لئے ایک 40 ابدالوں کی اسمبلی بنا دی اور اس طرح عبادت خانہ کو اسی طرح مذہبی پارلیمنٹ بنا دیا گیا جیسا کہ ساتویں صدی میں چین کے بادشاہ تائی سنگ (Tai Sing) نے چائنز کونسل' تیرھویں صدی میں قبلائی خان نے مشہور زمانہ پیکن کونسل

اور سکندر لودھی اور سلیمان نے اپنے اپنے دور میں مذہبی کونسلیں بنائی تھیں۔

شیعہ مسلک کا اکبر کی زندگی میں اتنا عمل دخل ہونے کے باوجود اکبر نے کبھی بھی شیعہ ہونے کا نہ تو اعلان کیا اور نہ ہی اس کا اظہار۔ وہ صرف شیعہ عالموں کی آزادانہ ذہانت۔ ظاہری چمک دمک اور ان باوقار طریقوں کو جو وہ عبادت خانے میں ملحوظ خاطر رکھتے تھے پسند کرتا تھا۔ لیکن وہ صحابہ کرام پر دشنام طرازی کو بالکل پسند نہ کرتا تھا۔

اکبر کو سلطنت ہندوستان میں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب جن میں ہندومت، زرتشت، جین مت، سکھ مت، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت شامل ہیں سے واسطہ رہتا تھا۔ وہ ان تمام مذاہب کا بے انتہا احترام کرتا تھا اور ان مذاہب کے علماءِ اور دانشوروں سے ملاقاتیں کرتا اور ان مذاہب کے بنیادی اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس نے ان اصولوں سے متاثر ہوتے ہوئے نہ صرف سلطنت میں مختلف قوانین نافذ کیئے بلکہ انہیں ''دین الٰہی'' میں بھی شامل کیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ان مذاہب کا اکبر اعظم پر کیا اثر ہوا اور اس نے ان مذاہب کے کس کس اصول کو کس حد تک اپنایا۔

اکبر اعظم پر دوسرے مذاہب کا اثر اور دین الٰہی کا نفاذ

ہندومت

ہندو مذہب تقریباً" چار ہزار سال پرانا ہے۔ اور تاریخی طور پر قدیم ترین مذہب ہے۔ ویدوں کے علاوہ اپنشد، پران، گیتا اور شاستر ان کی مذہبی کتب ہیں۔ ویدوں میں خدا کا تصور پرماتما کی صورت میں موجود ہے۔ برہما، شیو اور وشنو تین خدا مانے جاتے ہیں۔ تری مورتی جس میں تین خداؤں کا تصور ہے انکا بنیادی عقیدہ ہے۔ ان تین میں سے ایک کائنات کا خالق ، دوسرا بقا اور تیسرا تباہی و بربادی کا ذمہ دار مانا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بڑے بڑے مصلحین وشنو کے اوتار تھے اور ابھی ایک اوتار باقی ہے۔ وہ وشا اوتار کے نظریہ کے بھی قائل ہیں۔ ہندوؤں کی مشہور کتاب وید چار حصوں پر مشتمل ہے جسے رگ وید، سام وید، یجروید اور اتھر وید کہا جاتا ہے۔

ویدک زمانہ سے وہ زمانہ مراد ہے جب آریوں نے آہستہ آہستہ دریائے سندھ اور اس کے معاون سے سیراب ہونے والی زمین پر قبضہ کیا۔ اس زمانے کی تہذیب کا ماخذ صرف رگ وید ہے۔ رگ وید میں 1028 گیت اور دس ہزار سے اوپر اشعار ہیں اور یہ ویدک زمانہ کی ہندی آریائی تہذیب کا سب سے صاف آئینہ ہے۔ سام وید، یجر وید اور اتھر وید بھی اسی زمانہ شجاعت میں مرتب کئے گئے۔

اپنشدوں میں بے شمار فلسفیانہ مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ ان مسائل میں چار بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ روح کل کا مسئلہ اپنشیدوں کی بنیاد ہے۔ یہ مسئلہ توحید سے مختلف ہے توحید میں خالق کا وجود مخلوق سے الگ ہے۔ لیکن اپنشد خدا کو روح کل قرار دیتے ہیں۔ ہر شے اسی سے نکلی ہے اور اسی کا ایک جزو ہے۔ اسی میں مل جائے گی کسی شے کی جداگانہ

ہستی نہیں۔ پیدائش کے بارے میں اپنشد کہتا ہے۔ کہ شروع میں دنیا کا کوئی وجود نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا وجود پیدا ہوا۔ اس نے انڈے کی صورت اختیار کی۔ ایک سال کے بعد انڈا ٹوٹ گیا۔ جو کہ آدھا چاندی کا تھا اور آدھا سونے کا۔ چاندی والا حصہ زمین بن گئی اور سونے والا حصہ آسمان بن گیا۔ موٹی جھلی نے پہاڑوں کی صورت اختیار کر لی۔ پتلی جھلی سے دھند اور بادل پیدا ہوئے رگوں سے دریا اور مائع سے سمندر۔

تناسخ کی رو سے انسان کی روح اس دنیا میں آنے سے پہلے کسی دوسری دنیا میں ہوتی ہے۔ اور اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد پھر کسی دوسرے میں چلی جائے گی۔ تناسخ کے رو سے اچھے کاموں کا بدلہ آنے والی زندگیوں میں ملتا ہے۔ لیکن گیان ہی سے انسان روح کل میں جذب ہو سکتا ہے۔ چوتھا اہم مسئلہ حسن ازل کا ہے۔ اس کی رو سے روح سب گناہوں سے پاک اور داغوں سے صاف ہونے کے بعد حسن ازل میں اسی طرح جذب ہو جائے گی جس طرح روشنی روشنی میں۔

بھگوت گیتا میں مہاراج سری کرشن جی کی تعلیمات درج ہیں۔ بھگوت گیتا کی رو سے خدا ایک ذی شعور' ابدی اور توانا ہستی ہے جو ازل سے موجود ہے۔ سری ارجن جی اور سری کرشن جی کے مابین ہونے والے سوال و جواب کی شکل میں ہندوؤں کی ایک مشہور کتاب مہابھارت ہے جو ویدوں کی زبان سے مختلف بارہ حصوں پر مشتمل ہے۔ ہندومت کی کتاب رامائن دنیا کی مشہور ترین کتاب ہے۔ جس میں رزمیہ دور کے آریاؤں کے مذہبی' سیاسی اور معاشرتی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ رشی والمیکی کی منظوم تصنیف رامائن صدیوں بعد لکھی گی۔ جس میں سلطنت اجودھیا کے سماجی اور سیاسی حالات کا ذکر ہے اور جس میں رام چندر کی پیدائش سے سیتا کے جلاوطن ہونے تک کا قصہ تفصیل سے درج ہے۔ یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی جب مہا بھارت کی جنگ کے واقعات لوگوں کو اچھی طرح

یاد تھے۔ رامائن کے حوالہ سے گوشائین تلسی داس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کی اکثریت ہندوستان میں آباد ہے۔

اکبر اپنے ابتدائی دور حکومت میں کمسن ہونے کے باعث بیرم خان، ماہم آتکہ اور اس کے بیٹے اودھم خان کے زیر اثر رہا۔ لیکن جب وہ اپنی فطری استعدادوں کو بروئے کار لانے کے قابل ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے ساتھ آنے والے پٹھان ضدی اور سرکش ہیں ترکوں میں نافرمانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور ہندوستانی پٹھان اور راجپوت مغلوں کو غیر سمجھتے ہیں اسے بخوبی علم تھا کہ اس کے باپ دادا کے ساتھ یہ لوگ کیا سلوک کر چکے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان پانی پت میں اور ہندو آگرہ کے پاس مغلوں کے خلاف رانا سانگا کا بھرپور ساتھ دے چکے تھے۔ اگرچہ ان میدانوں میں بابر نے فتح حاصل کی لیکن بعد میں ہمایوں کو ان طاقتوں نے ہندوستان سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا اور اسے خود بھی دہلی کا تخت حاصل کرنے کے لئے ایک ہندو سپہ سالار ہیموبقال سے لڑنا پڑا جس کے ساتھ میدان جنگ میں راجپوت اور پٹھان موجود تھے۔ اسے نہ تو اب اپنے ہم قوم تورانیوں پر بھروسہ تھا اور نہ ہی ہندوستانی پٹھانوں اور راجپوتوں پر۔ وہ ان کے اثر سے نکلنا چاہتا تھا اور ایک ایسا اتحاد بنانا چاہتا تھا جس پر وہ مکمل اعتماد کر سکے۔ اس نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی زمین پر ہندوؤں کی اکثریت ہے اور ان کے بغیر ہندوستان میں عظیم اور پائیدار سلطنت قائم کرنا ناممکن ہے۔

گزشتہ کئی صدیوں کے تجربے سے عیاں تھا کہ راجپوت اپنے عسکری مزاج اور کٹر ہندومت کی وجہ سے مسلمان حکومتوں کے مستقل مزاج دشمن تھے جنہیں بزور شمشیر فتح نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اکبر نے فیصلہ کیا کہ راجپوتوں کے خلاف قوت ضائع نہ کی جائے اور انہیں رواداری سے مطیع بنایا جائے۔ اس کے سامنے شیر شاہ سوری کی مثال موجود تھی جو ہندوؤں

کی مدد سے کامیاب حکمران ثابت ہو چکا تھا۔ لہٰذا سلطنت کی اکثریت کی نفسیات' روایات اور جذبہ احساس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے 1562 میں بہاری مل سے ملکر یہ اتحاد قائم کیا۔ اس نے راجپوت سرداروں اور راجاؤں کو حکومت اور فوج میں شامل کیا۔ تان سین کو دربار کا موسیقار' وشواناتھ کو بطور پینٹر' مہادیو کو فزیشن اور چندرس کو سرجن مقرر کیا دربار اکبری کے نورتنوں میں چار ہندو تھے۔ اس کے دربار میں مادھو سروتی' رام ترتھ' نارائن' ہری جی' نارانگھ اور گوپی ناتھ کو بڑا مقام حاصل تھا اور یہ سب فرسٹ کلاس کے زمرہ میں آتے تھے۔ بہاری مل' راجہ بھگوان داس' مان سنگھ' ٹوڈرمل' راجہ رائے سنگھ بیکانیری' راجہ جگن ناتھ اور مادھوسنگھ فوج کے بہترین کمانڈر مانے جاتے تھے اور بیربل' جگن ناتھ ' راجہ دیپ ناتھ' مان سنگھ درباری اور رام چند بہترین افسروں میں شمار ہوتے تھے۔ اس طرح اکبر نے زندگی کے ہر شعبہ میں قابلِ اعتماد ہندوؤں کو شامل کیا۔

بہاری مل' پورن مل' روپسی' آسکرن آور جنگ مل پانچ بھائی تھے۔ کچھواہہ کے خاندان کے چشم و چراغ اور صدہا سال سے خاندانی راجہ چلے آرہے تھے۔ راجہ بہاری مل بھگوان داس کا باپ اور مان سنگھ کا دادا تھا۔ اکبر نے اس خاندان کی نیک نیتی' شرافت اور بہادری کے زیرِاثر 969ھ میں راجہ بہاری مل کی بیٹی اور مان سنگھ کی پھوپھی سے شادی کرکے راجپوتوں سے خاندانی تعلقات قائم کیئے۔ اکبر نے 1562ء میں ہندوؤں پر سے یاترائیکس اور 1564ء میں جزیہ ختم کر کے مذہبی برابری کی ابتدا کی۔ ہندوآنہ رسومات تلک لگانا' جھروکہ درشن' دیوالی' دوسہرہ اور ہولی وغیرہ کو سرکاری طور پر منایا جانے لگا نئے مندر بنانے کی اجازت دی گئی۔ 1562ء میں جے پور کے راجپوت راجا بہاری مل کی بیٹی اجودھیابائی سے اور 1570 میں بیکانیر اور جیسلمیر کی راجکماریوں سے شادی کی 1584 میں شہزادہ سلیم

کی شادی راجہ بھگوان داس کی بیٹی مان بائی اورایک دوسری شادی مارواڑہ کی شہزادی سے کی۔اکبر کا ذہنی رجحان چونکہ سیکولر تھا لہٰذا اس نے ہندوستان میں آزاد اسلامی ہندوستانی سلطنت قائم کی اور مشہور صوفی بزرگ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے عقیدہ "وحدت الوجود" کو اپنے نئے فکر کی بنیاد قرار دیا۔

شیخ محی الدین ابن عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں نظریہ " وحدت الوجود" کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ کائنات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وجود صرف خدا کا ہے اور جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ سب خدا ہی خدا ہے۔ فرعون کو یہ حق تھا کہ وہ "ان ربکم الا اعلیٰ" کہے کیونکہ وہ ذات حق سے جدا نہ تھا۔ اسی کتاب میں مذکور ہے کہ رسول اللہ کو علم تھا کہ ان کی امت میں ایسے لوگ ہونگے جو خلافت کو اللہ تعالی سے حاصل کرینگے اور خلیفتہ اللہ ہونگے۔ پس خلق خدا میں خلیفتہ اللہ ہیں وہ معدن خاتم النبین و مادہ انبیاء سابقین سے وہ احکام لیتے ہیں جو خود انہوں نے لئے تھے۔ خدا تعالی ایسے خلیفہ کو وہی احکام شرعیہ اور علوم دیتا ہے جو خاص کرکے انبیاء کو دیئے گئے تھے۔ اگرچہ خلیفہ ولی ظاہر میں متبع نبی اور اس کا غیر مخالف رہتا ہے۔ محقیقن کا خیال ہے کہ ابن عربی اخوان الصنعا جو باطنی مسلک اسماعیلیہ کے پیروکار تھے اور جن کی بے شمار تصنیفات نثر ابوالقاسم الاندلسی کے ذریعہ افریقہ اور اندلس میں مشہور ہوئیں کے نظریات و معتقدات سے متاثر تھے۔

ابتدائی دور میں عبادت خانہ میں صرف سنی العقیدہ مسلمان داخل ہو سکتے تھے۔ بعض مسائل پر انتہائی مخالفت کے باعث دوسرے دور میں شیعہ اور دوسرے اسلامی مسلک کے لوگ شامل ہوئے اور آخری دور میں ہندو اور دوسرے مذاہب کے دانشوروں اور مذہبی پیشواؤں کو دعوت بحث دی گئی اس دور میں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا ترجمہ کروایا گیا۔ فیضی نے یوگا

وسیسوشتا (Yoga Vasrishta) لیلاوتی (Lilavati), (Nala Damayanti) کا ترجمہ کیا' حاجی ابراہیم سرہندی نے اتھروید ملا شیری نے ہری ونشا (Hari vansha) اور ملا عبدالقادر بدایونی نے سنگھاسن بتیسی' تھربن بید کے ترجمے کئے۔ اس کے علاوہ رامائن(Ramaynan) اور مہابھارت (Maha Bharata) کا ترجمہ ہوا۔ اکبر نے ایک اندھے بزرگ دادو جس کے گانے ہندوؤں میں بہت مشہور ہیں کے ساتھ چالیس روز گزارے اور مشہور سکالر پرکوتھام (Porako tham) جس نے اکبر کی محبوب کتاب" خرد افزا" کی تشریح لکھی تھی کو کائنات میں موجود ہر چیز کے خصوصی نام ایجاد کرنے پر مامور کیا۔ ایک برہمن دیوی (Devi) جس نے مہابھارت کا ترجمہ کیا تھا سے بتوں' آگ' سورج' ستاروں کی پوجا اور ہندوؤں کے دیوتاؤں براہما' مہادیو' وشنو' کرشنا رام اور تحلیل روح کے عقیدہ سے متعلق مکمل آگاہی حاصل کی۔

بیربر یا بیربل 1572-73 میں دربار اکبری میں آیا۔ اسے خوش الہامی' ہجو اور نظم پر دسترس رکھنے کی بنا پر کبیرائے (Kabri- Rai) مقرر کیا گیا۔ اس کا عقیدہ تھا۔ کہ سورج سب سے بڑا منبع روشنی ہے۔ دنیا میں تمام پیداوار اسی کے دم سے ہے۔ وہ انسانیت کی زندگی کے لئے مددگار ہے یہ بادشاہ کی طرح دنیا والوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور ہر ملک کا بادشاہ سورج کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا سورج اور دوسرے اجرام فلکی قابل احترام اور قابل پرستش ہیں۔ بیربل نے اکبر اعظم کو سورج اور دوسرے اجرام فلکی کی پرستش کی طرف مائل کرنے کی بڑی کوشش کی۔ اسی اثر کے تحت دور اکبری میں نو روز جلالی کے وقت سورج کی پوجا کی جاتی اور اس تہوار کو منانا سلطنت کے لئے نیک شگون تصور کیا جاتا تھا۔

ہندو بیویوں کی وجہ سے چغتائی حرم میں بہت سی ہندوآنہ رسمیں موجود تھیں۔ ہندو عورتوں کو حرم میں اپنی مذہبی روایات ادا کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ جودھابائی کھانا پکانے کے لئے ہندو باورچی رکھتی تھی۔ اور اس

کی خلوت گاہ کو جانے والی سڑک الگ تھی اور اسے کوئی دوسرا استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے محل میں تلسی کا درخت تھا۔ اور مذہبی رسومات کے لئے علیحدہ جگہ بنی ہوئی تھی متبرک رسومات ادا کرنے کے لئے باقاعدہ برہمن ملازم تھے۔ شہزادہ سلیم کی شادی جو راجہ بھگوان داس کی بیٹی سے ہوئی میں بہت سے ہندوآنہ رسمیں جن میں آگ جلانا اور خشک چاول بکھیرنا وغیرہ شامل ہیں ادا کی گئیں۔

999ھ میں اکبر نے جب ستی کی رسم پر پابندی عائد کی تو ہندوؤ اس پر بڑے سیخ پا ہوئے۔ لہٰذا اکبر نے حکم دیا کہ اگر بیوہ کو ستی کرنا مذہباً" ضروری ہے تو پھر رنڈوے مرد بھی ستی ہونگے یا پھر رنڈوے کی شادی نہیں ہوگی۔ دو سال بعد ستی کا آئین شدت سے جاری کیا گیا۔ 999ھ میں ہی اکبر نے ہندوؤں کے فیصلوں کے لئے برہمن قاضی مقرر کئے تاکہ مذہبی تعصب غالب نہ آئے۔ اسی سال اکبر نے شہر کے باہر عالیشان خیرپورہ اور دھرم پورہ بنوائے جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے الگ الگ کھانے پکتے تھے اور جب جوگی زیادہ آنے لگے تو ان کے لئے اکبر نے ایک الگ مقام جوگی پورہ بنوایا۔ اکبر ان جوگیوں کے پاس رات کو جاتا اور ان سے عقائد مذہب' جوگ کے اسرار و حقائق' عبادت و اشغال کے طریقے' حرکات و سکنات اور کیمیا گری سیکھتا۔ شوراتری کی رات کو گرو اور مہنتوں کے ساتھ پرشاد کھاتا - اکبر نے جوگیوں کے کہنے پر کھانے میں کمی اور عورت کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔

اس مذہبی رواداری کے باعث مسلمان علماء کی جانب سے اکبر اعظم کو ہندو قرار دیا جانے لگا۔ لیکن اکبر اعظم ہندو مذہب پر تنقید کرتے ہوئے کہتا تھا کہ "پہلے تم تسلیم کرتے ہو کہ خدا ایک ہے۔ پھر خلف نسل کی بات کرتے ہو۔ تمہارے مذہب میں خدا کی بیویوں کا ذکر ہے۔ تم میں سے کچھ وشنو کو خدا کا نمائندہ مانتے ہیں ۔ اور کچھ اس کو بڑے خدا کا درجہ دیتے

ہیں۔ تم کہتے ہو کہ وشنو مختلف جانوروں کی اشکال میں دنیا میں آیا۔ تم رام اور کرشن کے متعلق بڑی عجیب و غریب داستانیں سناتے ہو۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے کو بے جان پتھروں اور جانوروں کے آگے جھکنے پر مجبور کرتے ہو۔ جبکہ تمہیں معلوم ہے کہ بے عقل اور بے جان کبھی ذی عقل اور جاندار چیزوں کا خالق نہیں ہو سکتا"۔ اکبر کہتا تھا "یہ کیسا مذہب ہے جس میں تخلیق کائنات کے وقت تینوں خداؤں کا جھگڑا ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو بد دعائیں دیتے نظر آتے ہیں۔ کبھی دیوی تینوں خداؤں کو شادی سے انکار پر جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ کبھی وشنو تین رانیوں میں سے چار حصے بن کر پیدا ہوتا ہے۔ تم رام اور لچھمن کا قصہ اور حاملہ سیتا کے تخت سمیت زمین میں سما جانے سے متعلق بھی عجیب عجیب قصے بیان کرتے ہو۔"

زرتشتی مذہب

پارسی مذہب ایشیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔ جس کے بانی زرتشت تھے۔ زرتشت آذربائیجان میں 660 ق م میں پیدا ہوئے اور 586 ق م میں انتقال فرما گئے۔ غاروں میں برسوں غوروفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ تاریکی کے بعد روشنی اور روشنی کے بعد تاریکی آتی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔ اور اس کائنات کا کاروبار خیروشر میں منقسم ہے۔ انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز قفقاز شہر سے کیا اور سرکاری سرپرستی میں ان کے نظریات و خیالات کی اشاعت کی گئی۔ پارسی اپنے عبادت خانوں میں آگ روشن کرکے اس کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں آگ کو پاکیزگی اور خالص پن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ ان کا بڑا دینی مظہر ہے۔ جھوٹ بولنا بہت بڑا جُرم تصور کیا جاتا ہے۔ سچائی' پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاق پر زور دیا جاتا ہے۔ زرتشی ثنویت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔جس کے مطابق دنیا کے خالق ایک نہیں دو ہیں۔ ایک خدائے خیر ہے اور دوسرا خدائے شر۔ خدائے خیر کا نام "اہورا مزدا" اور خدائے شر کا نام "جوانگرامنو" ہے یہ دو مستقل ہستیاں ہیں جن میں باہمی کشمکش جاری ہے۔ شاہ بلخ کی سرپرستی میں یہ مذہب آذر بائیجان اور ایران میں پھیلا۔

یہ مذہب غیر تبلیغی ہے۔ پیدائشی پارسی کے علاوہ کوئی اس مذہب کو نہیں اپنا سکتا۔ اس مذہب کی مشہور کتابیں ژنداوستا' دساتیر اور زرتشت نامہ ہیں۔ سکندر اعظم کے دور میں زرتشت کی لکھی گئی پچیس کے قریب کتابوں کو ضائع کر دیا گیا تھا۔ بعد میں ان کتابوں کی تلخیص اوستا کی شکل میں لکھی گئی جو چار حصوں لینا' وسپریڈ' وندیداد اور یاشت پر مشتمل ہے۔ دساتیر کے بھی دو حصے ہیں خورد دساتیر اور کلاں دساتیر - اس مذہب کی تعلیمات کے مطابق پاکیزہ روح کو اہرمن سے کسی قسم کا خوف نہیں۔ اہورا مزدا کا فیصلہ ہے کہ نیکی کو آخری فتح حاصل ہو گی جب زمین پر

برائیاں عام چھا جائیں تو وہ اپنے پیغمبر کو بھیجے گا جو مظلوموں کی دادرسی کرے گا اور انسانوں کو آسمانی روشنی دکھائے گا۔ تمام دنیا اہورا مزدا کی پرستش اختیار کرے گی لوگ گوشت کھانا ترک کر دیں گے اور صرف دودھ اور پھلوں پر زندگی بسر کریں گے۔ اس کے بعد صرف پانی پر زندہ رہیں گے اور ایسے پیکر روحانیت بن جائیں گے جو کسی قسم کی غذا نہیں کھائیں گے لیکن پھر بھی زندہ رہیں گے۔

اس مذہب میں ایک اور ہستی کو بڑی اہمیت حاصل ہے جسے مترا یا مصرا کہا جاتا ہے۔ اسے اہرمن و یزداں کی درمیانی کڑی اور انسان و خدا کے درمیان واسطہ سمجھا جاتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ مترا نوع انسانی کی نجات کے لئے دنیا میں آیا لیکن اسے ایذائیں دی گئیں اس نے جان دیکر انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اور تیسرے دن اپنی قبر سے جی اٹھا۔ مترا کی تاریخ پیدائش 25 دسمبر اور جی اٹھنے کا دن 25 مارچ بتایا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ آخری زمانے میں پھر دنیا میں آئے گا اور اس کے ہاتھوں حق کی فتح اور باطل کی مکمل شکست ہو گی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیاوی عالم اخروی عالم سے ایک پل کے ذریعے ملا ہوا ہے۔ مرنے والوں کی روحیں اس سے گذرتی ہیں نیک روحیں اطمینان سے پل پار کرکے ٹھکانے پر پہنچ جاتی ہیں۔ جو ہمیشگی کا گھر یا جنت ہے۔ جبکہ وہ روحیں جو گناہوں کے بوجھ سے پل پار نہیں کر سکیں گی دوزخ میں گر جاتی ہیں جو ایک دہشت ناک گڑھا ہے گناہگاروں کی روحوں کو یہاں ابد تک ایذا دی جاتی ہے۔ اگر نیکیوں کا پلہ بدیوں سے بھاری ہو تو انسان عارضی عذاب جھیلتا ہے۔

1573ء میں سورت کی جنگ کے دوران اکبر اعظم نے زرتشتیوں کے ایک مشہور استاد اور دینی پیشوا Dastur Me-Hayarji Rana جس کا ہندوستان میں بڑا چرچا تھا ناواسری (Navaseri) میں ملاقات کی ابوالفضل

دربار اکبری سے منسلک ہونے سے قبل ان زرتشتی پیشواؤں سے مل چکا تھا اور وہ اس مذہب سے خاصا واقف تھا۔ 1576ء میں جب عبادت خانہ مذہبی پارلیمنٹ کا روپ دھار چکا تو اکبر نے Dastur Mehayarji Rana کو گجرات کے گورنر شہاب الدین خان کی معرفت دربار میں بلایا۔ یہ پیشوا 1578-79ء میں دربار اکبری میں آیا اور اس نے اکبر اعظم اور ابوالفضل سے بڑے لمبے عرصہ تک گفتگو کی۔ شہنشاہ نے اس زرتشی پیشوا سے زرتشتی مذہب کے بنیادی اصول' عبادت کے طریقے' مذہبی رسومات اور تقریبات سے متعلق مکمل آگاہی حاصل کی۔ اس زرتشتی پیشوا کے علاوہ ایک اور پیشوا ازہر کیوانی پونا سے اپنے چیلوں کے ہمراہ 1581 سے 1585ء کے دوران دربار اکبری میں آیا اور شہنشاہ سے ملاقات کی۔

اہل ایران مشرف اسلام ہونے کے باوجود اپنے پرانے مذہبی تہوار بڑے جوش و خروش سے مناتے تھے۔ وسط ایشیاء کے ترک سورج اور دوسرے اجرام فلکی کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اکبر کی والدہ ایرانی تھی اور اکبر نے اپنا بچپن ایران میں گزارا تھا۔ ایران کی سرزمین سے متعلقہ تمام قصے کہانیاں' رسومات' تقریبات اور تہوار اس کے دیکھے سنے تھے۔ اس کا معتمد ساتھی بیربر آتش پرست تھا اور اس کے حرم کی بیشتر ہندو خواتین آگ کی پوجا کرتی تھیں اور حرم میں مستقل "اوم کندا" موجود تھا۔ اکبر اعظم نے زرتشتیوں سے متاثر ہوتے ہوئے 81-1580 میں پارسی تہوار منانے کا اعلان کیا۔ 1581 میں زرتشتیوں کے مطابق کیلنڈر ترتیب دیا اور سولریرا (Solarera) جاری کیا۔ اس نے زرتشتیوں کی عبادات کے پس منظر میں حکم دیا کہ آگ کو جلایا جائے اور اسے کبھی نہ بجھنے دیا جائے۔ اس نے ستاروں کی حرکت کے مطابق مختلف دنوں میں مختلف لباس پہننے شروع کر دیئے۔ اس نے زرتشتی پیشواؤں سے زنار (Zunnar) کیوسک (Quseke) گرنڈل (Grindle) اور رنگز (Rings) وصول کئے۔۔ وہ عوام

میں سورج اور آگ کے سامنے جھک جاتا تھا۔ دربار اکبری میں شام کے وقت دیئے جلائے جاتے تھے جس کے احترام میں تمام دربار کھڑا ہو جاتا تھا۔ بدایونی کہتا ہے کہ اکبر آدھی رات سے سورج کے 1001 نام گننا شروع کر دیتا تھا۔ 1582 میں بھامی چندرا (Bhami Chandra) نے سورج کے 1001 ناموں پر مشتمل فہرست اور ملا شیری نے سورج کی تعریف میں 1000 نظموں پر مشتمل کتاب ہزار شعاع (Hazar Shua) پیش کیں۔

اکبر کا سورج کے آگے جھکنا، حرم کے اندر آگ جلانا، زرتشیوں سے Rings اور Grindle وصول کرنا مختلف دنوں میں مخصوص لباس پہننا، پارسیوں کے تہوار منانا دراصل ان مذاہب کا احترام تھا جن مذاہب سے سلطنت میں اسے روز مرہ کا واسطہ پڑتا تھا۔ لیکن وہ زرتشتیوں کے بنیادی اصولوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتا تھا کہ شیطان اور یزدان کا فلسفہ تمہارے بنیادی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا اور "دنیا کے دو خالق" کا نظریہ حقیقت سے کسی طور بھی قریب تر نہیں ہے۔

جین مت

جین مت کے بانی مہاتما مہاویر ہے۔ مہاویر گوتم بدھ کا ہمعصر اور کشتری شہزادہ تھا۔ اور اس کا تعلق ویسالی کے حکمران خاندان سے تھا۔ تیئس سال میں تیاگی بنا اور تیرہ سال بیابانوں اور جنگلوں میں عبادت کر کے "گیان" حاصل کیا اور پھر مزید تیس سال تک مشرقی ہندوستان میں جین مت کا پرچار کیا۔ جین مت کی بنیاد انسا پر ہے۔ انسا سے مراد "کسی جاندار کو مارنا بہت بڑا پاپ ہے۔" جینیوں کے عقیدہ کے مطابق جین مت ازلی ہے اور مہابیر آخری ترتھنکر ہیں۔ جین مت میں خدا کا انکار ہے لیکن ترتھنکروں کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش ہوتی ہے۔ اس مذہب کے دو مشہور فرقے ہیں سوتمبر اور ڈگمبر۔ جینیوں کی قدیم کتابوں میں "پرو" اور "انگ" مقدس کتابیں ہیں اس مت میں سادھو کی زندگی سب سے بہتر زندگی ہے سادھو کے لئے ضروری ہے کہ وہ ضروریات زندگی سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہ رکھے اور بھیک مانگ کر گزارہ کرے۔ ان کی تمام متاع ستر پوشی کے کپڑے، کمبل، کشکول، جھاڑو اور ایک کپڑے کے ٹکڑے پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس سے وہ اپنا منہ ڈھانپے رکھتے ہیں۔ تاکہ کوئی کیڑا مکوڑا اندر نہ چلا جائے ڈگمر کپڑوں سے بے نیاز رہتے ہیں ان کی ریاضتیں بڑی سخت ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ انہیں دن رات میں صرف تین گھنٹے سونے کی اجازت ہوتی ہے۔

جین مت اسلامی دور سے قبل بھی ہندوستان کے جنوبی اور شمالی حصوں میں موجود تھا۔ اکبر اعظم کے علاوہ ابوالفضل بھی اس مذہب سے شناسا تھا۔ لیکن تاریخ میں دربار اکبری یا عبادت خانہ میں اس مذہب کے کسی پیشوا کا کوئی قابل قدر کردار موجود نہیں ہے۔ اکبر اعظم نے 1582 میں جین مت کے ایک مذہبی پیشوا ہیرا وجے (Hira Vijaya) کے متعلق سنا تو اسے گجرات کے وائسرائے صاحب خان کی معرفت دربار میں بلایا۔ یہ

مذہبی پیشوا اپنے دوسرے دو ساتھیوں Vijaysen Suri اور Upadhyay کے ساتھ اپنے مخصوص لباس میں ملبوس احمد آباد سے پیدل آگرہ آئے۔ انہوں نے اکبر سے بڑے لمبے عرصہ تک جین مت کے بنیادی اصولوں' طریقہ عبادات اور مذہبی رسومات پر مذاکرات کئے۔ انہوں نے کسی جاندار چیز کو نہ مارنے کا فلسفہ بھی بیان کیا جو چنگیزی روایات کے بالکل برعکس تھا۔ اکبر اعظم نے اس اصول سے متاثر ہوتے ہوئے 1582 میں مچھلی کے شکار پر اور پھر ہر قسم کے دوسرے شکار پر بھی پابندی عائد کر دی اور قیدی پرندوں کو رہا کر دیا۔ 1583 میں باقاعدہ قانون جاری کرتے ہوئے اس کی خلاف ورزی پر سزا مقرر کی گئی۔ 1587ء میں سال میں 180 دن جانوروں کو ذبح نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ 1584 میں ہیرا وجے الہ آباد سے ہوتا ہوا گجرات واپس چلا گیا لیکن اس کے دونوں ساتھی دربار اکبری میں موجود رہے۔ جین مت کی عبادات میں سورج پرستی شامل نہیں ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جین مت کے یہ دونوں پیشوا اکبر اعظم کے ساتھ مل کر Surya Shchasra Naga پڑھتے تھے۔ 1510ء میں سدھی چندرا کو جین مت کے مقدس مقامات کا انچارج بنایا گیا اور ست رویہ پہاڑیوں کی زیارتوں پر سے ٹیکس ختم کر دیا گیا۔ اور پہاڑیوں میں واقع ادیس، وارہ کا مندر جو ضلع کاٹھیاوار میں واقع تھا ہیرا وجے کے نام وقف کر دیا۔

سکھ مت

سکھ مت کے پیشوا بابا نانک جی تھے۔ ان کا زمانہ پندرھویں صدی عیسوی کا وسط آخر اور سولہویں صدی کا وسط اول تھا۔ سکھوں کے دس گورو ہیں۔ گورو نانک دیو، گورو انگ دیو، گورو امر داس، گورو رام داس، گوروارجن دیو، گورو ہرگوبند، گورو ہر رائے، گوروہرکش جی، گورو تیغ بہادر اور گورو گوبند سنگھ۔ سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ کہلاتی ہے۔ گرنتھ کو گورو ارمن سنگھ نے موسیقی کے اصولوں کے مطابق مرتب کیا تھا۔ امرتسر سکھوں کا ایک مقدس مقام ہے۔

یہ ایک تبلیغی مذہب ہے۔ مذہب قبول کرنے پر پوہل لینے کی رسم ادا کی جاتی ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ کچھ، کڑا، کرپان، کیس اور کنگھا اپنے پاس رکھے۔ تمباکو نہ پیئے۔ گورو کے احکام پر چلے اور اپنے نام کے آگے سنگھ کے لفظ کا اضافہ کرے۔ سکھ مذہب کے بنیادی ماخذ گورو گرنتھ صاحب، وسم گرنتھ اور واراں بھائی گورووداس ہیں۔ گرنتھ صاحب نظم میں ہے اور اس میں پانچ، چھ اور نویں گورو صاحبان کے علاوہ سولہ بھگتوں کا کلام درج ہے۔ دسم گرنتھ میں دسویں گرو صاحب کا کلام ہے وسم گرنتھ صاحب میں ہندو دیو مالا کے بارے میں بڑی طویل نظمیں ہیں۔ واراں بھائی گورداس میں کبت اور سوئیے ہیں۔ ان مشہور کتابوں کے علاوہ جنم ساکھی بھائی بالا، جنم ساکھی منی سنگھ مشہور کتابیں ہیں جن میں بابا گورونانک کی سوانح عمری، اعمال اور احکام تحریر ہیں۔

اکبر اعظم کے دور حکومت میں سکھوں کے تین گورو گزرے ہیں۔

-1	گورو امرداس۔	1552ء تا 1574ء
-2	گورو رام داس۔	1574ء تا 1581ء
-3	گورو ارجن سنگھ۔	1581ء تا 1606ء

اکبر کے ابتدائی دور حکومت میں سکھ مذہب اتنا زیادہ مشہور نہ تھا۔

گرو عمر داس کے اکبر اعظم کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ اکبر اعظم گورو رام داس کی بھی بہت عزت کرتا تھا۔ اکبر نے ایک زمین کا ٹکڑا گورو رام داس کو دیا جس پر اس نے تالاب بنایا اور اس کا نام امرتسر رکھا۔ گورو ارجن سنگھ نے سکھوں کو مذہبی برادری میں بڑا مضبوط کیا اور امرتسر میں گرنتھ صاحب کا انتظام کر کے اسے مرکز کی حیثیت سے روشناس کروایا۔ اکبر نے مذہبی رواداری اور فراخدلانہ پالیسی کے تحت سکھ مذہب کو ہندوستان میں پھلنے پھولنے کا موقعہ فراہم کیا محسن فانی کہتا ہے کہ گورو ارجن سنگھ کے زمانے میں سکھ ہر جگہ پائے جانے لگے تھے۔ پنجاب میں گورو ارجن سنگھ کی بڑی عزت و تکریم تھی۔ خسرو کی بغاوت کے دوران گورو ارجن سنگھ نے خسرو کی روحانی مدد کی اور جب خسرو کو شکست ہوئی تو گوروارجن سنگھ نے قید قبول کر لی۔ محسن فانی کے بقول اکبر کے زمانہ میں سکھ مذہب نے بڑی ترقی کی اور اکبر کے دل میں سکھ مذہب کا بڑا احترام تھا۔

بدھ مت

بدھ مت ایشیائے قدیم کا وسیع مذہب ہے۔ اس مذہب کے بانی کا نام سدھارتھ اور القابات گوتم بدھ اور ساکیامنی ہیں۔ گوتم 557ء ق م میں پیدا ہوا۔ گوتم کا باپ شدو دھن کپل وستو کا راجہ تھا گوتم اس کا خاندانی نام تھا۔ مذہب کے پرچار کے حوالہ سے بودھ مشہور ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں یشودرا سے شادی کی۔ دس سال بعد گھر بار چھوڑ دیا۔ فقیروں کے بھیس میں راجدھانی راجہ گرہیہ کے پہاڑوں میں مقیم چند برہمن تیاگیوں سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی پھر ریاضت کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن تسلی نہ ہوئی پھر"گیا" میں ایک بڑ کے درخت کے نیچے مستغرق ہوا اور وہاں سچائی کا نور پایا۔ خیابان آہو میں داخل ہو کر انہوں نے اپنے پانچ چیلوں کو سچائی کا راستہ دکھایا اور اپنے مذہب کے اصول بتائے۔ چیلوں نے نیا مذہب اختیار کیا۔ اور اس کے بعد لوگ اس مذہب میں شامل ہوتے گئے۔جب گوتم نے بھکشوؤں کے ساتھ بھکشیوں کے حلقے کا اعلان کیا تو ان کی بیوی یشودرا سب سے پہلی بھکشنی بنی اور بیس سالہ بیٹے راحل کو بھی بھکشوؤں میں شامل کیا۔ بدھ پچیس سال تک گنگا کی وادی میں گھومتا رہا۔ قوموں، راجوں، چھوٹوں اور بڑوں نے اس مذہب کو قبول کیا۔ بودھی حاصل کرنے کے بعد وہ سینتالیس برس زندہ رہا اور 477 ق م میں اس دنیا سے چل بسا۔ بدھ مت کے عقیدوں کو ثانوی حیثیت حاصل ہے اور اس کی بنیاد نفس اور کنارہ کشی پر ہے۔ بدھ کی تعلیمات کے مطابق زندگی ایک دکھ ہے زندگی اور اس کی مسرتوں کی خواہش اس دکھ کی علت ہے۔ اس خواہش پر غلبہ پانا دکھ کو ختم کرنا ہے اور غلبہ صرف پاکیزہ زندگی بسر کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ خواہشات پر غلبہ پانے کو"نروان"کہتا تھا جسے زندگی ہی میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ روح کا قائل نہیں تھا لیکن جسمانی تناسخ کو مانتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انسان کے افعال باقی رہتے ہیں اور ان سے

لابدی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اور موجودہ زندگی گذشتہ زندگی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ اس دنیا کو نیتی مطلق مانتا تھا اور خدا روح اور دوسری دنیا کا قائل نہیں تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انسانی خواہش اس نیتی مطلق کو زندگی دیتی ہے اور انسان اپنے اعمال کے مطابق اسی دنیا میں مختلف زندگیاں بسر کرنے کے بعد نروان حاصل کرتا ہے۔ نروان حاصل کرنے کے بعد اسی نیتی مطلق کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ بدھ مت کا مقصد قیدوبند میں جکڑے ہوئے انسان کو آزاد کرانا اور دائمی اور ابدی راحت میں سعادت تک پہنچانا ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق جہنم زمین کی سطح کے نیچے گہرائیوں میں سات طبقوں پر مشتمل ہے۔ روح جتنی بُری ہوگی اتنی ہی اپنے آپ کو جہنم کے نچلے طبقے میں پائے گی۔ زندہ روحیں وزن رکھتی ہیں۔ غلطی کرنے پر روح بھاری ہوکر نیچے چلی جاتی ہے۔ اگر غلطی بڑی ہو تو روح جہنم کی ساتویں خوفناک تہہ میں غرق ہو جاتی ہے۔ لیکن نیک اور پاک روح ایک دوسرے پر بنی ہوئی 26 جنتوں میں سے کسی ایک میں چلی جاتی ہے اور اگر روح بہت ہی نیک اور پاک ہو تو سب سے بلند 26 ویں جنت میں چلی جاتی ہے۔

جاپان میں بدھ مت کی اشاعت کے بعد یہ عقیدہ بن گیا کہ بہت سی جنتیں بعض ولیوں اور نیک لوگوں کے لئے اور بعض جنگ میں مرنے والوں اور شہنشاہ کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اسی طرح گناہگاروں کے لئے بہت سی دوزخیں موجود ہیں جن کی تعداد 128 ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سردیوں میں پندرہ منٹ تک بہتے آبشار کے نیچے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے ' مندروں میں حاضری دینے' حسن سے اپنے آپ کو سیراب کرنے' متواتر نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے سے مہاتما بدھ بنفس نفیس ظاہر ہوتے ہیں اور روح پاک ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں راجہ اشوک اور راجہ کنشک کے دور حکومت میں بدھ

مت سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ اور آٹھ ہزار چار سو خانقائیں بنائی گئیں۔ مختلف ممالک میں مبلغ بھیجے گئے اور بھرپور انداز سے اشاعت کی گئی۔ 242 ق م میں اشوک نے پاٹلی پتر میں بودھوں کی تیسری کونسل کا اجلاس بلایا۔ اجلاس کے بعد کشمیر' شمالی ہندوستان' میسور' باختر' برما اور سیلون میں اپنے پرچارک بھیجے۔ دوسری صدی ق م میں بدھ مت کی کتابیں چین کے شہنشاہ کو پیش کی گئیں۔ چوتھی صدی عیسوی تک بدھ مت چین' کوریا' جاپان' کابل' بخارا تک جا پہنچا۔ اشوک نے اپنے پرچارکوں کو مشرق قریب میں مصر اور مقدونیہ بھی بھیجا تھا۔ بدھا کی رحلت کے 28 سال بعد "تری پٹیکا" لکھی گئی جو "سترا پٹیکا" "ونایا پٹیکا" اور "دھرم پٹیکا" کا مجموعہ ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات کی رو سے مہاتما بدھ خدا کی ہستی کے منکر تھے۔ اس مذہب کے پیروکار مہاتما بدھ کے بت کی پوجا کرتے ہیں۔

دور اکبری میں بدھ مت ہندوستان میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ جدید تاریخ دان اس امر کی شہادت فراہم نہیں کر سکے کہ بدھ مت کے پیروکاروں میں سے کسی نے عبادت خانہ کی بحث میں حصہ لیا ہو۔ البتہ اس وقت کی عبادت خانہ کے منظر کی ایک تصویر میں ایک بدھسٹ موجود ہے۔ ابوالفضل عبادت خانہ کا انچارج تھا۔ اور وہ اپنی ابتدائی زندگی میں تبت میں اس مذہب کے لاما سے مل چکا تھا۔ وہ بدھ مت کے بنیادی اصولوں اور ان کی عبادات سے شناسا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بدھ مت نے ہندوستان کی سرزمین پر جنم لیا اور اسی جگہ اسے فروغ ملا تھا۔ اور اس وقت اس مذہب کے پیروکار کہاں کہاں موجود ہیں۔ اس کے کہنے کے مطابق بدھ مت دوسرے دینی پیشواؤں کے ساتھ دربار اکبری میں آئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں کشمیر' سیلون یا تبت سے بلوایا گیا ہو۔ جیسے جین مت کے پیشواؤں کو احمد آباد سے' عیسائیوں کو گوا سے اور زرتشتیوں کو ایران سے بلوایا گیا تھا۔ تاریخ میں واضع نہیں ہے کہ بدھ مت کے

کسی پیشوا نے اکبر کو متاثر کیا ہو۔ لیکن اکبر اپنے سر کے بال بدھ مت کے پیروکاروں کی طرح منڈواتا تھا۔

یہودیت

یہودیوں کا قدیم نام بنی اسرائیل ہے۔ یہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت یوسفؑ جب مصر میں حکومت کے ایک اہم رکن بنے تو قحط سالی کے سبب ان کے بھائی بھی مصر غلہ خریدنے آئے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو مصر میں آباد کیا۔ جو اپنی محنت اور دیانت سے طاقتور ہو گئے۔ فرعون مصر نے ان کی طاقت سے خائف ہو کر انہیں ختم کرنا چاہا۔ اس کے اس حکم کے باوجود کہ بنی اسرائیل کا پیدا ہونے والا کوئی لڑکا زندہ نہ رہنے دیا جائے حضرت موسیٰؑ اس کے محلوں میں پرورش پاتے رہے۔ جوان ہو کر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکالا۔ کوہ طور کی چوٹی پر آپ پر دس احکامات نازل ہوئے۔ بنی اسرائیل وادی سینا سے باہر نکل کر اس سرزمین کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضرت یعقوبؑ رہا کرتے تھے۔کئی سال جنگلوں میں رہنے کے بعد بنی اسرائیل ارض موعود فلسطین کے نزدیک آباد ہوئے۔ بنی اسرائیل کے فلسطین میں آباد ہونے سے قبل وہاں ایک سامی قوم کنعانی رہتی تھی۔ بنی اسرائیل فلسطین میں بارہ قبیلوں میں منقسم ہو کر آباد ہوئے۔ ایک مدت کے بعد حضرت داؤدؑ نے بنی اسرائیل کی سلطنت کو متحد اور مضبوط کیا۔ اور بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔ حضرت داؤدؑ کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اسرائیل کی حکمرانی کو وسعت دی اور معراج کمال تک پہنچایا۔ اور بیت المقدس میں ایک بہت بڑا ہیکل بنوایا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد اسرائیل کی سلطنت شمالی اور جنوبی حصوں میں بٹ گئی۔ شمال میں بسنے والے اسرائیلی اور جنوبی حصوں میں رہنے والے یہودی کہلائے۔ اسرائیل کی راجدھانی سماریہ اور یہودیہ کی راجدھانی یروشلم تھی۔ یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات ہے جسے کتاب مقدس کہا جاتا ہے اور یہ موجودہ بائبل کا ایک حصہ ہے - کل بائبل تمام عیسائیوں کی کتاب ہے اور عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید پر مشتمل

ہے لیکن یہودی عہدنامہ جدید کو تسلیم نہیں کرتے۔ عہد نامہ عتیق تورات (قانون یا شریعت) صحائف انبیاء اور صحائف مقدسہ پر مشتمل ہے شریعت موسوی حضرت عیسیٰؑ نے برقرار رکھی تھی۔

یہودی ابتدا میں بعث کے تصور سے ناآشنا تھے۔ بعث کا تصور ان میں اس وقت آیا جب انہیں زمین پر اپنی بادشاہت کی امید نہ رہی بعد میں یہودی زرتشت کے مذہب سے متاثر ہوئے اور اس مذہب سے اُخروی زندگی کا اعتقاد اخذ کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ" یہودیوں کی روحیں باقی لوگوں کی روحوں سے اس بات میں ممتاز و بہترین ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا جزو ہیں۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا جزو ہوتا ہے۔ یہودیوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کو باقی روحوں کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہیں۔ کیونکہ غیر یہودی کی روح شیطان کی روح سے بڑھ کر نہیں ہے بلکہ جانوروں کی روح سے مشابہ ہے۔ مرکر یہودی کی روح ایک دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے۔ لیکن کسی دوسرے یہودی کو قتل کرنے والا یہودی اپنے دین سے مرتد ہو جاتا ہے اور موت کے بعد اس کی روح جانوروں یا نباتات میں چلی جاتی ہے۔ یا پھر جہنم میں داخل ہو جاتی ہے۔ جہاں اسے سخت عذاب ہوتا ہے۔ پھر جمادات میں اور پھر جانوروں میں اور پاک ہو کر یہودی کے جسم میں واپس چلی جاتی ہے۔"

دبستان مذاہب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی دربار اکبری میں آئے اور انہوں نے عبادت خانہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف مذہبی بحث مباحثہ میں حصہ لیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں مذہبی اختلافات موجود ہیں۔ یہودی کنواری مریم کے بطن سے مسیح کی پیدائش کو تسلیم نہیں کرتے اور عہدنامہ جدید کو اللہ کا کلام نہیں مانتے۔ بلکہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ ان کے متعلق گستاخانہ خیالات رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ نو معجزات ظاہر ہوئے جن میں سب سے زیادہ

مشہور معجزہ لاٹھی کا سانپ بن جانا ہے۔ اکبر یہودیوں کے بیان کردہ حضرت موسیٰؑ کے اس معجزہ سے متعلق کہتا تھا کہ "یہ معجزہ ایک نبی کے شان شایان نہیں ہے۔"

عیسائیت

فلسطین کے ایک نہائت سرسبز حصہ گیلی لی میں ایک چھوٹے سے گاؤں ناصرہ میں عبرانی فینقی' عرب اور یونانی آباد تھے۔ اسی گاؤں میں حضرت مسیح پیدا ہوئے۔ آپ نے گیلی لی کے بہت سے دیہاتوں میں وعظ کیے ان وعظوں کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ جب عبادت گاہوں کے دروازے آپ پر بند کر دیئے جاتے تو آپ کسی پہاڑی پر اپنا وعظ شروع کر دیتے۔ آپ وعظ کرتے ہوئے فرماتے تھے۔

"مبارک ہیں وہ جن کی روحیں غریب ہیں کیونکہ آسمان پر بادشاہت انہی کی ہے مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ زمین کے وہی وارث ہونگے۔ مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہی اطمینان پائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جن میں صداقت کی تڑپ ہے کیونکہ وہ آسودہ ہونگے۔ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں۔ وہ جو سچائی پر ہیں مگر ستائے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کی ہے"

حضرت عیسیٰؑ نے تیس سال کی عمر میں نبوت کا اعلان کیا۔ تین سال تک گردو نواح میں پیغام خداوندی سنانے کے بعد یروشلم چلے گئے۔ جہاں آپ پر یہودیہ میں ایک نئی سلطنت قائم کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ رومی عدالت نے آپ کو صلیب پر لٹکائے جانے کا فیصلہ دیا۔ آپ نے "خدا کی بادشاہت" کے عقیدہ کا پرچار کیا جو یہودیت کے مروجہ عقیدوں کے خلاف تھا۔ سینٹ پال کی کوششوں سے مسیحی دین ایشائے کوچک' یونان اور روم تک پھیلا۔ قسطنطین نے بازنطین میں عیسائیت کو قانونی حمائت میں لے کر ریاست کا مذہب بنایا۔

عیسائیوں کی مذہبی الہامی کتاب بائیبل ہے۔ بائیبل کے دو حصے ہیں۔ عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید۔ عیسائی عہد نامہ عتیق کو منسوخ اور عہد

نامہ جدید کو ناسخ مانتے ہیں۔ دور حاضر میں اناجیل اربعہ (انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا) کو محترم مانا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انجیل برناباس بھی ہے جو زیادہ معتبر تصور نہیں کی جاتی۔ اناجیل اربعہ میں تین اقانیم کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ اور ان میں حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھائے جانے کا مکمل فلسفہ موجود ہے جبکہ انجیل برناباس ان عقائد کی نفی کرتی ہے۔ عیسائی حضرت اسماعیلؑ کی بجائے حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ کہتے ہیں اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو اللہ کا نبی تسلیم نہیں کرتے۔

ابتدا میں عیسائیوں کے چار مشہور فرقے مارکیونی، ابیانی، منیز اور ناسٹک تھے۔ مارکیونی حضرت عیسیٰؑ کی خارق عادات، پیدائش، الوہیت اور مرکر جی اٹھنے کے قائل نہ تھے۔ ابیانی حضرت عیسیٰؑ کو حضرت مریم اور یوسف کا بیٹا مانتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ صلیب کے وقت مسیح کا جسم الگ ہو کر آسمان کی طرف صعود کر گیا تھا منیز کہتے تھے کہ مسیح وہی عقل کل ہے جسے مذہب زرتشت والے مترا کہتے ہیں اس کا مسکن سورج تھا اور وہ دنیا والوں سے ناراض ہو کر سورج میں جا بیٹھا ہے۔ ناسٹک فرقہ مسیح کو روح محض تسلیم کرتے اور توراۃیت کی پہلی پانچ کتابوں کو مانتے تھے۔ یہ فرقے پانچویں صدی میں ختم ہو گئے اور ایک فرقہ تثلیثیہ وجود میں آیا۔ عقیدہ تثلیث کو قسطنطین کی حکومت نے بطور قانون نافذ کیا۔ اور عیسائیت کا بنیادی عقیدہ قرار دیا۔ بعد ازاں اس میں حضرت مریم کی پرستش کو شامل کر دیا گیا۔ اعمال کی جگہ کفارہ کے عقیدہ نے لے لی جس کی رو سے نجات کا دارو مدار اعمال کی بجائے عقیدہ تصلیب قرار پایا۔ عیسائیوں کا اصول مذہب یہ ہے۔

"ہم ایمان لائے خدا، قدرت والے باپ پر جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا خالق ہے - رب یسوع مسیح ابن اللہ جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ جو باپ

کے ہاں جملہ کائنات سے پہلے پیدا ہوا عین ذات ہے الا الا ہے نور نور ہے۔ عین ذرا ہے مولود موجود ہے مخلوق نہیں باپ اور اس کا جوہر ایک ہے اس کی وساطت سے تخلیق اشیاء ظہور میں آئیں یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہم انسانوں کی نجات کے واسطے اس کا نزول و حلول ہوا۔ اور وہ انسان بن کر آیا مبتلائے بلا ہوا اور تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور اب زندہ اور مردوں کا انصاف کرنے پھر آئے گا۔"

اس فرقہ تثلیثیہ کے دو بڑے فرقے "رومن کیتھولک" اور "پروٹسٹنٹ " ہیں۔

یورپین اقوام کے پادری اور مذہبی مبلغ جن میں زیادہ تر عیسائی ہوتے تھے تاجروں اور مہماتی لوگوں کے ساتھ دوسرے ممالک میں مذہبی تبلیغ کے لئے جاتے تھے۔ پرتگالی پندرھویں صدی کے آخری دور میں تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تو ان کے ساتھ بھی مذہبی مبلغ تھے۔ پرتگالی نیوی میں مہارت رکھتے تھے لہٰذا وہ آہستہ آہستہ ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلوں پر قابض ہو گئے۔ وہ تجارت کے ساتھ ساتھ سمندری ڈاکے بھی ڈالتے تھے جن سے اکبر باخبر تھا۔

اکبر کی عیسائیوں کے ساتھ پہلی ملاقات 73 -1572ء میں فتح گجرات کے دوران ہوئی 1573 میں پرتگالی سورت شہر کی حفاظت پر مامور تھے لیکن جب دفاع بے کار بنا دیا گیا تو انہوں نے اکبر اعظم سے صلح کی درخواست کی جو اکبر نے قبول کر لی۔ یہ صلح Done Antonio Cabrol کی معرفت عمل میں آئی۔ اکبر نے اس پادری سے ان کے رہن سہن اور مذہبی طور طریقوں سے متعلق معلومات حاصل کیں 1576 میں دو عیسائی انتھونی وار (Anthony var)اور پیٹرڈائس (Peter Dias) بنگال آئے اکبر نے وائسرائے بنگال کی معرفت ان دونوں پادریوں سے عیسائیت کے بنیادی اصول' طریقہ عبادات اور رسومات و تقریبات سے متعلق دریافت کیا۔اسی دوران ایک

پرتگالی آفیسر Pietre Tavaers بھی دربار اکبری میں آیا لیکن وہ اکبر کو مطمئن نہ کر سکا۔ لہٰذا Done Antonio Cabrol کے کہنے پر گوا سے عیسائی مشنری کو بلوایا گیا۔ حاجی عبداللہ خان کو ایک فرمان دیکر گوا بھیجا گیا۔

عبداللہ خان فرمان لے کر ستمبر 1579ء میں گوا پہنچا۔ اس کا شاہی گورنر کے طور پر استقبال کیا گیا سیاسی اور مذہبی نقطہ نظر کے تحت دعوت قبول کرتے ہوئے پرتگالیوں نے Rudolf Aquariva اور Monserrate کو دربار اکبری میں بھیجا۔ یہ مشن 17 نومبر 1579 کو روانہ ہوا اور فروری 1580 کو فتح پور سکری پہنچا۔ ان پادریوں کو شاہی محل میں ٹھہرایا گیا۔ اور دربار میں حاضری کے روائتی انداز سے مستثنٰی قرار دیا گیا ان کی نشست گاہ تخت اکبری کے قریب تھی۔ ان کی عبادت کے لئے گرجا گھر تعمیر کروایا گیا۔ Monserrate کو شہزادہ مراد کا ٹیوٹر اور ابوالفضل کو مترجم مقرر کیا گیا ابوالفضل سے بائیبل کا ترجمہ کروایا گیا اور اس کی ابتداء chirstu Al-name vay- Gesu سے کی گئی۔ اور سلطنت میں Bells کی رسم ادا کرنے کی اجازت دی گئی۔

ان پادریوں نے عبادت خانہ میں 18 مارچ ' 14 اپریل اور 16 اپریل 1580 کو بحث میں حصہ لیا۔ حضرت عیسیٰؑ کا پیغمبر اور انجیل کا الہامی کتاب ثابت ہونا حضرت محمدؐ کا نظریہ جنت' خدائی میں تین کی شرکت' انجیل میں وسیع پیمانے پر تبدیلی اور حضرت محمدؐ کی ذاتی زندگی کے مسائل زیر بحث رہے۔ اکبر اعظم نے ان پادریوں سے پوچھا کہ اگر یسوع مسیح طاقتور خدائے بزرگ کا بیٹا ہے تو پھر سولی سے کیوں نہ بچ سکا؟ مزید ان سے مسیح کا خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھنے' پادریوں کے مجرد رہنے انجیل میں استعمال کردہ Paracleteکے لفظ کا مطلب اور قرآن و انجیل میں تعلق دریافت کیا گیا۔ جنکا جواب پادری تسلی بخش نہ دے سکے۔ یہ مشن تین

سال ہندوستان میں رہا لیکن جب یہ لوگ اکبر اعظم کو عیسائیت پر قائل کرنے میں ناکام ہو گئے تو گوا کی حکومت نے ان پادریوں کو واپس بلا لیا۔ یہ مشن مئی 1583 میں واپس گوا چلا گیا۔

1583 سے 1590 تک خاموشی رہی۔ 1590 میں ایک یونانی پادری لیوگرائین دربار اکبری میں آیا۔ اس دور میں بہت سے فرہنگی اور آرمینیز بھی دربار میں آئے۔ ان کی بڑی آؤ بھگت کی گئی۔ گرائین کے ذریعہ یونانی کتب کا ترجمہ کروایا گیا۔ گرائین جب واپس جانے لگا تو اس کے ہاتھ وائسرائے گوا اور ہیڈ آف سوسائٹی کے نام دو خطوط ارسال کئے گئے۔ گرائین نے گوا جا کر بتایا کہ اکبر عیسائیت کی طرف راغب ہو چکا ہے اور اسے صرف راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس کی رپورٹ کے مطابق اکبر نے مساجد کو گرانے کا حکم دیا اور عیسائیت کے لئے اپنی تمام بیویوں کو چھوڑ دینے کا مصمم ارادہ کیا ہے۔ اور 1590ء میں اس نے کرسمس ڈے بھی منایا ہے۔ لہٰذا اس کی سفارشات پر گوا کی حکومت نے leistion اورEdward Chistopher divga کو ہندوستان بھیجا۔ اس مشن کو شاہی مہمان بنایا گیا۔ ان کی خواہش کے مطابق شاہی خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک الگ سکول تعمیر کروایا گیا۔ نومبر 1591ء کے سرکاری گزٹ کے مطابق اس مشن کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس وقت تک دربار اکبری کو نہ چھوڑیں جب تک وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو جاتے۔ یا پھر انہیں واپس نہ بلایا جائے۔ لیکن ان ہدایات کے باوجود یہ مشن ایک سال کے اندر اندر واپس چلا گیا۔

Maclagon کہتا ہے کہ مشن کو یقین ہو گیا تھا کہ اکبر عیسائیت قبول نہیں کرے گا۔ سمتھ کہتا ہے کہ مشن بزدل اور کم ہمت تھا Grom کہتا ہے کہ اکبر ذہنی طور پر عیسائیت قبول کر چکا تھا لیکن مشن نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

تیسرا مشن اکبر کی دعوت پر دسمبر 1594 میں ہندوستان آیا اس مشن میں Jerome Xavier, Emmanual Pinheio اور Brother Benediet شامل تھے جو سیاسی اور مذہبی امور پر عبور رکھتے تھے۔ یہ مشن راستہ میں شہزادہ مراد کو ملا۔ Du-jarric کے بقول شہزادہ مراد کسی مذہبی بحث میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا اور وہ مسجد میں بھی کبھی کبھار جاتا تھا۔ یہ مشن پانچ ماہ کا مسلسل سفر کر کے 5 مئی 1595 کو لاہور پہنچا۔ یہ مشن اکبر کی وفات تک ہندوستان میں رہا۔ اکبر نے لاہور میں اس مشن کو شاہی مہمان بنایا۔ تخت کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دی اور لاہور میں شاہی خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ان کی زیر نگرانی سکول کھولا۔ لاہور میں بحث کے دوران اکبر اعظم کا Xavier کے ساتھ یسوع مسیح کو ابن اللہ کہنے پر شدید اختلاف ہوا۔ 1597 میں شہنشاہ اکبر تخت پر بیٹھا سورج کی پرستش کر رہا تھا کہ آسمان کی جانب سے آگ آئی عیسائیوں نے کہا کہ یہ بادشاہ کی لامذہبیت کے باعث اللہ نے غصہ کا اظہار کیا ہے۔ سمتھ کہتا ہے کہ اس آگ کے بعد اکبر مرتد نہیں رہا اور اسلام کی طرف دوبارہ راغب ہو گیا تھا۔ Von noer کہتا ہے کہ اکبر نے عیسائیت گوا میں عدالتی تحقیقات کے باعث قبول نہیں کی تھی۔ جبکہ Maclagon کہتا ہے کہ ایسی کوئی عدالتی کارروائی زیر غور نہ تھی۔

اکبر دکن کی مہم پر عیسائی پادری Xavier کو ساتھ لے گیا۔ دکن جا کر اس کو خاندیش کی طاقت کا علم ہوا تو اس نے Xavier سے کہا کہ وہ پرتگالیوں کو گولہ بارود اور سامان جنگ بھیجنے کے لئے لکھے لیکن Xavier نے کہا کہ ایسا کرنا عیسائیت کے اصولوں کے منافی ہے۔ Du-jurric کے مطابق پرتگالی دراصل اس وقت قلعہ اسیرگڑھ کی حفاظت پر مامور تھے اور Xavier کو اس کا بخوبی علم تھا۔ سمتھ کہتا ہے کہ اکبر کا مقصد پرتگالیوں کو مکمل طور پر نیست و نابود کرنا تھا۔ اور اکبر دوستی کے لبادہ میں دشمنی کر

رہا تھا۔ اکبر Xavier کی اس بے رخی پر بے حد ناراض ہوا۔ اسیر گڑھ کی فتح کے بعد اکبر نے Xavier کو معاف کر دیا اور سات پرتگالی افسر جو اسیر گڑھ قلعہ کی حفاظت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے تھے واپس کر دیئے گئے۔ اکبر کی جانب سے عیسائیوں کو دربار میں بلا روک ٹوک اور بغیر اجازت کے ہر مسئلہ پر گفتگو کی اجازت دی گئی جس پر محمد اعظم خان جو دین الٰہی کا بنیادی ممبر تھا نے پر زور احتجاج کیا۔ لاہور میں وائسرائے قلزم خان عیسائیوں کے راستے کی رکاوٹ بنا یہاں تک کہ 15 ستمبر 1604 کو Father Pinheio کو بال بچوں سمیت گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا لیکن قلزم خاں کی آگرہ منتقلی کے باعث یہ معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ آگرہ میں Xavier لمبے عرصہ تک اکبر کو عیسائیت کے لئے قائل کرتا رہا۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ بعد ازاں آرمینیز اور پرتگالیوں کی آپس میں ٹھن گئی اکبر اعظم نے پرتگالیوں کی خواہش کے برعکس 1604ء میں انگریزوں کو ہندوستان آنے کی باقاعدہ اجازت دے دی جس پر فادر Xavier بہت مایوس ہوا۔ اور شہزادہ سلیم کی طرف راغب ہو گیا۔ 1604ء میں باپ بیٹے میں صلح ہو گئی اور ستمبر 1605ء میں اکبر دنیا چھوڑ گیا۔

اکبر کی اس رواداری کے باعث جو اس نے عیسائیوں کے ساتھ برتی تھی۔ اس کو غلط انداز میں اچھالا گیا۔ سمتھ کہتا ہے کہ اکبر نے 1580ء میں ہی بے وفائی شروع کر دی تھی اور مشنری کے دربار اکبری کے آنے کے فوراً بعد یورپین ساحلوں پر قبضہ کرنے کی تیاری شروع کر دی گئی تھی Monserrate کے مطابق اکبر نہ صرف عیسائیت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا بلکہ وہ عیسائیت کی خاطر تخت و تاراج بھی چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اور اس نے ان کے ساتھ گوا جانے کا بھی وعدہ کیا لیکن اکبر کی شرط تھی کہ "پہلے خدائی میں تین کی شمولیت حضرت مریم کی پاک دامنی اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ثابت کیا جائے۔"

یورپین تاریخ دان دراصل اسی مواد کو تاریخ میں مرتب کرنے کے لئے ناگزیر سمجھتے ہیں جو پرتگالی رپورٹرز نے اپنے فادرز کے حوالہ سے خطوط یا لٹریچر کی شکل میں بھیجا لیکن ان میں بہت سے واقعات اور حالات کو گڈ مڈ کرکے بیان کیا گیا۔ فتح پور سیکری جاتے ہوئے ایک فادر نے کہا کہ اکبر نے مساجد کو گرا دینے کا حکم دیا۔ دوسرے نے کہا کہ اکبر نے سوائے ایک کے تمام بیویوں کو چھوڑ دیا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ اکبر عیسائیت قبول کرنے اور گوا جانے کو تیار تھا لیکن دارالحکومت میں بغاوت کے ڈر سے نہ جا سکا۔ چوتھے نے لکھا کہ اکبر بیجاپور میں عیسائی ہو کر مرا۔

Smith جہاں کہیں بھی پرتگالی روایات اور ہندوستانی روایات میں فرق محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے فادر کا لکھا ہوا درست قرار دیتا ہے۔۔ دراصل مشنریز ایک خاص نقطہ نظر سے کام کرتی تھیں ان کی تمام رپورٹوں میں اکبر کے نقطہ نظر کو تبدیل کرنے کے امکانات' ہندوستان میں انجیل پھیلانے کے ذرائع' اکبر کے مرتد ہونے کے خدشات اور اکبر کے عیسائیت قبول کرنے کے پروپیگنڈا پر مشتمل ہوتی تھیں۔ ڈی سوزا کے مطابق اکبر عیسائی پادریوں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ میکلیگن Maclagan کہتا ہے کہ اکبر عیسائی فادرز کو اپنے ملک کے ملازمین کے لئے بطور پادری رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک اور خیال کا اظہار بھی کیا کہ چونکہ اکبر اسلام کو ہندوستان کا سرکاری مذہب قرار نہیں دے سکتا تھا۔ لہٰذا وہ ابوالفضل کے مشورہ پر عیسائیت کو موقع فراہم کرنا چاہتا ہے۔

عیسائیوں کو بلانے کی اکبر کی اصل منشا سے متعلق مختلف رائٹرز کی مختلف رائے ہیں ان میں کچھ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ خالصتاً" سیاسی نوعیت کی تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان کے سمندروں پر پرتگالیوں کی حکمرانی ہو۔ مشرقی حصہ پر پرتگالیوں کو ہندوستان سے باہر کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

لہٰذا اکبر نے عیسائیوں کے ساتھ پیچ در پیچ حکمت عملی کے ساتھ ساتھ دوستانہ پالیسی اپنائی۔ اور مذہبی تعلقات اور تجارت کی پالیسی کو ظاہر کرتے ہوئے جاسوسی کے عمل کو تیز کیا۔

اب فتوحات کا زمانہ گزر چکا تھا۔ سنیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ شیعہ صحابہ کرام پر تبرہ کرنے کی وجہ سے اپنا وقار کھو چکے تھے۔ پارسی اپنی مقناطیسی قوت آزما چکے تھے۔ برہمن اور جوگیوں کی صدیوں پرانی فلاسفی اکبر کو مطمئن نہ کر سکی تھی اور نہ ہی عیسائیت اپنا رنگ دکھا سکی لہٰذا اکبر نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی جس کا نام "دین الٰہی اکبر شاہی" رکھا گیا۔

دین الٰہی کے نفاذ کے بعد اسلام کے منافی قوانین پر ایک نظر

عبادت خانہ 1575ء میں تعمیر ہوا۔ اس کی تعمیر کے ساتھ ہی بحث و مباحثہ کا دور شروع ہو گیا۔ اس دور میں تمام قوموں سے تعلق رکھنے والے ہر مذہب کے بے شمار دانشور اور مذہبی پیشوا شاہی دربار میں آئے اور شہنشاہ اکبر سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ ان دانشمندوں اور مذہبی پیشواؤں نے شاہی دربار سے منسلک ہوتے ہوئے سائنس' فطرت ' تاریخ' ادب طب بلکہ مذہب سے متعلق بھی تحقیقات کو پیشے کے طور پر اپنایا۔ دانشور تحقیقی میدان میں ہر نقطہ پر ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے اس طرح بہت سی غیر مروجہ تشریحات سامنے آئیں جو ذہنی مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے وجہ اختلاف بنیں۔ عبادت خانہ میں فیضی' ابوالفضل اور عبدالقادر بدایونی ایک دوسرے کے حریف تھے۔ عبدالقادر نے منتخب التواریخ میں ان تمام قوانین کا ذکر کیا ہے جو اکبر اعظم نے اسلامی نقطہ نظر سے ہٹ کر جاری کئے اور جن کی بنا پر اسے مرتد قرار دیا گیا۔

عبدالقادر' فیضی اور ابوالفضل مشہور عالم اور مفکر شیخ مبارک کے شاگرد تھے اور یہ تینوں بہت بڑے سکالر تھے۔ فیضی طب اور ادب میں مہارت رکھتا تھا ابوالفضل Theology اور تاریخ پر اتھارٹی رکھتا تھا اور بدایونی گرائمر اور Logic پر۔عبدالقادر بدیونی دربار اکبری میں 1573ء میں آیا اور اس نے مدد معاش (Madad-i-Maash) کو قبول کیا۔

ملا عبدالقادر بدایونی 947ھ میں اجمیر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ خاندانی وطن بدایوں تھا۔ فیضی اور ابوالفضل کا ہم درس اور ہمعصر تھے تیں اکتیس برس کی عمر میں آگرہ آئے اور بادشاہ کے سات اماموں میں

شامل اور حاشیہ نشینوں میں داخل ہوئے۔ اکبر کے حکم سے پہلے "سنگھاسن بتیسی" کا ایک پنڈت کی مدد سے ترجمہ کیا۔ جو نامہ خرد افزا کے تاریخی نام سے موسوم و مقبول ہوا۔ پھر مہابھارت رامائن' راج ترنگن کے ترجمے کئے۔ معجم البدلدان کے چند اجزا عربی سے فارسی میں منتقل کیے۔ تاریخ الفی کی ترمیم و تصحیح کی۔ ملا صاحب راسخ العقیدہ سنی مولوی تھے اور اپنے زمانے کی بدعات و الحاد کی سخت مذمت کرتے تھے۔ وہ بے باک نقاد' راست گو اور دیانتدار تھے۔ ان کی منتخب التواریخ نے ہمہ گیر شہرت حاصل کی لیکن اس سے ان کی علمی فضیلت ماند پڑ گئی۔

ابراہیم سرہندی کے خلاف تقریر پر اکبر اس کی Theology hearing پر خوش ہوا۔ اور اسے ملاؤں کے زور کو توڑنے کے لئے عبادت خانہ میں مباحثہ کے لئے رکھ لیا گیا۔ عبدالقادر نے Theology میں عبور حاصل کیا۔ لیکن ابوالفضل کے متعارف ہونے کے بعد اکبراعظم کا تمام رجحان ابوالفضل کی طرف ہو گیا۔ کیونکہ اس کی اختلافی بحث نے تمام علماء دربار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

پہلے پہل اکبر کا خیال تھا کہ عبدالقادر ایک صوفی ہے لیکن بعد میں اسے محسوس ہوا کہ بدایونی کٹر مولوی ہے۔ اکبر نے ایک دفعہ بدایونی سے پوچھا کہ راناکیکا(Kika) کے خلاف محاذ میں کیوں شامل ہونا چاہتا ہے۔ تو اس نے بڑے فخریہ انداز میں کہا کہ وہ کافروں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس کی پہلی کاوش کتاب الحادیث (Kitabul Ahadis) تھی۔ بدایونی کو مہابھارت کے ترجمہ کا کام بھی سونپا گیا۔ بدایونی کی والدہ 1589ء میں فوت ہوئی تو وہ نامہ خردافزا جو اکبر کی بڑی پسندیدہ کتاب تھی لیکر اپنے گاؤں چلا گیا۔ وہ ایک سال تک چھٹی پر رہا اور خرد افزا کی کتاب اس سے گم ہو گئی۔ جس پر اکبر اس سے ناراض ہوگیا۔ 1593ء میں ابوالفضل نے نو روز کے جشن کے موقع پراجمیر شریف کے متولی کے طور پر تعیناتی کی سفارش کی۔

لیکن اکبر نے اسے دوبارہ دربار سے منسلک کرتے ہوئے بہارالاسماء (Bahr ul Asmar) کے ترجمے کا کام سونپا۔ 94-1593 میں اس نے تاریخ الفی کا تیسرا حصہ مکمل کیا۔

1595ء میں فیضی فوت ہو گیا تو بدایونی بہت خوش ہوا کیونکہ دربار میں اس کا حریف ختم ہو گیا تھا۔ وہ اپنی وفات تک دربار میں موجود رہا بدایونی کو مدد معاش کے طور پر 1000 بیگہ اراضی دی گئی تھی اور وہ بدھ کے روز کی نمازوں کا امام تھا۔ وہ بطور سپاہی راناکیکا (Kika) کے خلاف لڑا۔ اس نے کتابوں کے ترجمے کئے۔ لیکن اس کے مد مقابل اس سے کہیں زیادہ مشہور ہو گئے اور اس طرح وہ اپنا دماغی توازن کھو گیا۔ اس نے بچپن میں مولوی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے نانا نے اسے گرائمر سکھائی قرآن اور اسلامی قوانین کا درس دیا۔ وہ کٹر سنی العقیدہ تھا اور وہ غیر مذہب اور غیر مسلک کا قطعاً" خیال نہ رکھتا تھا۔ اس کی مشہور کتاب منتخب التواریخ ہے۔ اس کتاب میں اس نے مذہبی گروہ کی نمائندگی کی ہے جو اس وقت کی حکومت کی سرپرستی سے محروم مذہبی اثر اور غلبہ کو ختم ہوتا دیکھ رہے تھے۔ یہ کتاب مذہبی اقدار کے زوال کا مرثیہ ہے۔ بدایونی نے جہاں ضروری سمجھا اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے واقعات کو مسخ کیا ہے۔ یہ کتاب اس کے عرصہ حیات میں نہ چھپ سکی۔ یہ کتاب جہانگیر کے دور میں چھپی اور وہ اسے پڑھ کر اتنا ناراض ہوا کہ اس نے طیش میں آ کر حکم دیا کہ بدایونی کے لڑکے کو گرفتار کر کے اس کی جائداد ضبط کر لی جائے۔ مزید تمام کتب فروشوں کو حکم دیا گیا کہ اس کی کوئی کتاب فروخت نہ کی جائے۔

اس منتخب التواریخ اور اس کے حوالہ سے یورپین تاریخ دانوں نے جن اسلام کے منافی قوانین کا ذکر کیا ہے۔ آیئے اس کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

1575-76 میں متعہ کی شادی پر بحث وجہ تنازعہ بنی۔ اکبر اعظم کی کئی بیویاں تھیں۔ جبکہ سنی العقیدہ ہونے کے باعث وہ بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا تھا۔ چیف قاضی نے ایک فتویٰ کے ذریعہ بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کو جائز قرار دیا۔ جس کا جواز پیدا کرتے ہوئے کہا گیا کہ قرآن پاک میں دو دو' تین تین اور چار چار بیویاں رکھنے کا حکم ہے۔ حضرت عباس متعہ کو جائز قرار دیتے تھے اور مجتہدین میں سے امام النخفی اور امام ابن ابی لیلیٰ اٹھارہ عورتوں سے شادی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام مالک کے فتویٰ کے حوالہ سے کہا گیا کہ ایک شخص متعہ کی شادی کے ذریعہ جتنی مرضی بیویاں اپنا سکتا ہے۔

اکبر اعظم نے ایک رات قاضی یعقوب' ابوالفضل' ابراہیم اور بدایونی کو اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے طلب کیا۔ بدایونی نے کہا کہ امام مالک اور اہل تشیع کے نزدیک متعہ کی شادی جائز ہے جبکہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہؒ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر امام مالک کے نقطہ نظر کے تحت کوئی قاضی متعہ کی شادی جائز ہونے کا فتویٰ دیتا ہے تو وہ قابل تسلیم ہو گا۔ قاضی یعقوب نے ان ولائل کی زبردست مخالفت کی جس پر اکبراعظم بہت ناراض ہوا۔ اور اس نے فوری طور پر قاضی یعقوب کو برطرف کر کے اس کی جگہ قاضی حسین کو مملکت کا قاضی مقرر کر دیا۔ قاضی حسین نے چارج سنبھالتے ہی متعہ کی شادی کو جائز قرار دے دیا۔ اس مسئلہ پر انتہائی اختلاف کے باعث بہت سے قاضی جن میں صدر الصدور اور مخدوم الملک بھی شامل تھے زیر عتاب آئے۔

اسی سال "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کی جگہ "اللہ اکبر" بولنے اور لکھے جانے کی تجویز پیش کی گئی بحث میں حصہ لیتے ہوئے حاجی ابراہیم نے کہا کہ ایسا کرنے سے لوگ "اللہ اکبر" کو "اکبر اللہ ہے" کے معنی پہنائیں گے اور اس سے ایک لامتناعی تنقید کا آغاز ہو گا۔ اکبر اس پر بڑا ناراض

ہوا اور کہا کہ " کوئی کمزور انسان بھلا خدائی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے "

اسی سال قاضی جلال الدین کو دوسرے علماء کی شرکت سے قرآن پاک کی ایک ایسی متفقہ علیہ شرح لکھنے کی ہدائت کی گئی جس پر عالم اسلام میں موجود سارے فرقے متفق ہوں۔ بدایونی کہتا ہے کہ شرح کے آغاز میں ہی مختلف مکاتب فکر کے علماء میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا۔ علماء اسلام کی جانب سے اس الہامی کتاب کی شرح میں اسقدر اختلاف نے آخر کار اکبر کو گمراہی کی جانب دھکیل دیا۔

اسی سال ہندوؤں کی معروف کتاب اتھروید (Itharava Veda) کے ترجمہ کے لئے شیخ فیضی' بدایونی' حاجی ابراہیم اور ایک دکنی برہمن کو مامور کیا گیا۔ بدایونی کہتا ہے کہ اکبر کا یہ فعل ہندو مذہب کے زیر اثر تھا۔

76- 1575 میں اکبر اعظم نے محکمہ حج قائم کیا۔ فریضہ حج اسلام کا بنیادی رکن ہے لیکن ہندوستان کے حکمران جن میں اورنگ زیب بھی شامل ہے کبھی فریضہ حج کے لئے مکہ نہ گئے۔ اکبراعظم بھی حج کے لئے مکہ نہ گیا۔ لیکن اس نے اپنے دور حکومت میں حاجیوں کو ہر ممکن سہولت فراہم کی۔ اس کا اپنا بحری بیڑہ جس میں ایک سو جہاز شامل تھے" جہاز الٰہی" کے نام سے موسوم تھا۔

78- 1577 میں اس نے شاہی شکار کو ممنوع قرار دیا۔ اکبر اعظم پر الزام ہے کہ شکار پر پابندی اس نے بدھ مت اور جین مت سے متاثر ہو کر لگائی تھی۔ Choronlogy کہتا ہے کہ یہ سب کچھ پیدائشی رحمدلی اور وجدی کیفیت کا نتیجہ تھا۔ بدھ مت اور جین مت کے پیشوا 1580 میں دربارؒ اکبری میں آئے تھے جبکہ یہ قانون دو سال قبل لاگو ہو چکا تھا۔

1577-78ء میں اکبر نے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔خلفائے راشدین امیہ و عباسی دور کی ابتدا تک خلیفہ اپنے تقرر کے بعد پہلے خطبہ میں اپنی پالیسی کا اعلان کرتے تھے جبکہ دوسرا خطبہ خالص مذہبی قسم کا ہوتا تھا۔

خطبہ میں حکمران کا نام، خطابات یا دعائیہ الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ ابن خلدون کے مطابق خطبہ میں خلیفہ کا نام پہلی بار حضرت عبداللہ بن عباس گورنر بصرہ نے لیا جنہوں نے حضرت علیؓ کا نام لے کر دعائیہ کلمات ادا کئے۔ لیکن خلیفہ کا خطبہ میں باقاعدہ نام عباسی خلیفہ امین کے زمانہ میں لیا گیا اور اس کے بعد خطبہ میں حکمران کا نام لینا شاہی علامت بن گیا۔ عباسی حکومت جب تک سیاسی طور پر طاقتور رہی تمام اسلامی دنیا میں ان کا نام خطبہ میں لیا جاتا تھا۔ جب منگولوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے عباسی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے خلفائے راشدین کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔ شیعہ مسلک کے لوگ خطبہ میں 12 اماموں کے نام پڑھتے تھے۔ مغل بادشاہ بھی عثمانی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان کا نام خطبہ میں پڑھتے تھے۔ مغلوں کے دور میں بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد آنے والے پہلے جمعہ کے خطبہ میں بادشاہ کا نام خطبہ میں لیا جاتا تھا۔ خطبہ میں حمد، نعت اور خلفاء راشدین کی تعریف سابق حکمران کے ناموں کے بعد نئے حکمران کا نام لیتے ہوئے دعائیہ جملے کہے جاتے تھے۔ یہ نام جمعہ، عیدالفطر اور عیدالضحیٰ کے موقعوں پر تمام سلطنت میں برابر خطبہ میں دہرایا جاتا تھا۔ ماحضر پر دستخط ہو جانے اور امام عادل قرار پانے پر اکبر نے ایک دفعہ خلفاء راشدین اور سلاطین کی طرز پر برسرِ منبر خطبہ دینے کی کوشش کی لیکن فیضی کے صرف یہ تین شعر کہہ سکا اور کانپتے ہوئے منبر سے نیچے اتر آیا۔

خداوندے کہ مارا خسروی داد
دل دانا و بازوئے قوی داد
بعدل و داد مارا رہنموں کرد
بجز عدل از خیال کابروں کرد
بودو صفش زحد فہم برتر

تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

79 -1578 میں شیخ تاج الدین نے سجدہ متعارف کروایا جسے زمین بوس کا نام دیا گیا اور شہنشاہ کو قبلہ مرادات اور کعبہ حاجات کے القابات دیئے گئے۔ شیخ تاجدین کے والد بزرگوار کو تاج العارفین کہا جاتا ہے اور وہ شیخ مان پانی پتی کے جنہوں نے لوائح پر شرح' نزہت الارواح پر موٹی شرح لکھی اور تصوف اور علم توحید میں محی الدین ابن عربی کے ہم پلہ تھے کے شاگرد تھے۔ شیخ تاجدین اکبراعظم کی خواب گاہ میں بلا جھجک چلے جاتے تھے۔ انہوں نے اکبر کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا کہ مغفرت کی امید ہمیشہ خوف عذاب پر غالب رہتی ہے۔ انسان کامل جو پہلے پیغمبر تھے اب خلیفتہ الزمان ہے اور وہی قبلہ مرادات اور کعبہ حاجات ہے۔ سجدہ اس کے لئے جائز ہے اور یہ کہ شیخ یعقوب کشمیری جو مرشد اور مقتدائے وقت مشہور ہیں بھی اپنے مریدوں سے سجدہ تعظیمی کرواتے ہیں۔غازی خان بدخشی نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ جائز ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے حضرت آدمؑ کو ملائکہ نے اور حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے تعظیمی سجدے کئے تھے اور عہد سلف میں امت ہائے قدیمہ اپنے بزرگوں کے سامنے عجز و نیاز سے پیشانی زمین پر رکھتے تھے جو پرستش نہیں بلکہ ادب ہوتا تھا۔ وی اے سمتھ کہتا ہے کہ اکبر اکثر خدائی دعویٰ کرتا تھا اور سجدہ کرواتا تھا جو صرف اللہ کے لئے ہے Bloch man کہتا ہے کہ وہ شہنشائیت کے روپ میں خدائی دعویٰ کرتا تھا۔ ملا شیری نے ہجو لکھتے ہوئے کہا کہ "اس سال شہنشاہ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ ایک سال بعد وہ خدا کہلاوے گا۔"

خاندانی روایات کے طور پر زمین کو بوسہ دینے کا رواج اکبر کے خاندان میں پہلے سے موجود تھا۔ خاقان Kayuk Khan کے دور میں اسمبلی کے ممبران دن میں نو دفعہ ایک جم غفیر کے ساتھ اپنی پیشانیاں زمین پر مارتے تھے۔ Kayuk khan اور اس کے حواری دن میں تین دفعہ سورج

کے سامنے جھکتے تھے۔ ابوالفضل نے آئین 74 میں بتایا کہ ہمایوں کے دور میں مجلسی آداب کے طور پر سجدہ تسلیم رائج تھا۔ 1569 میں معاہدہ رنتھمبور کے بعد راجپوت خاندان نے شاہی محل میں داخلہ کے وقت سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسم درباری روایات کے طور پر پہلے ہی موجود تھی اور اس کا مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔۔ بدایونی نے خود بھی 1577- سے 1593 تک زمین بوس سجدہ ادا کیا کشمیر کے ایک عالم دین محمد یعقوب جو مذہب پر اس وقت اتھارٹی رکھتے تھے نے بغیر کسی منطقی بحث کے اس طریقہ کار کو پسند کیا۔ ابوالفضل کہتا ہے کہ جب لوگوں نے اس سجدہ پر اعتراض کیا تو اکبر نے دربار عام میں اس سجدہ پر پابندی لگا دی اور یہ سجدہ صرف خاص لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ اکبر نے علماء' سادات اور دوسرے مذہبی لوگوں کو اس رسم سے مبرا قرار دیا۔ سجدہ کی رسم کی تاویلات کے باوجود جو وقتاً" فوقتاً" درباری علماء کی جانب سے کی جاتی تھیں یہ رسم عوام میں اور بالخصوص علماء میں مقبول نہ ہو سکی اور اندر ہی اندر اس کی مخالفت جاری رہی۔ شاہجہان کے دور میں اس رسم کو ختم کرکے رسم چہار سلیم کو شروع کیا گیا لیکن یہ رسم بھی سجدہ کی ہی ایک شکل تھی۔

اسی سال بائیبل کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جس پر تنقید کرتے ہوئے بدایونی کہتا ہے کہ اکبر نے یہ حکم عیسائیت سے لگاؤ اور ہندوستان میں اس مذہب کے پرچار کے لئے دیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ اکبر نے شہزادہ مراد کو عیسائیت کی طرف راغب کرتے ہوئے ابوالفضل کی سرپرستی میں انجیل کا ترجمہ کروایا جس نے بائیبل کا ترجمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے Al-Name-Vay-Gesu Christu سے کیا۔

اکبر کے دور حکومت سے بہت پہلے مذہبی کتابوں کے تراجم کا کام سنٹرل ایشیا اور عرب میں ہوتا رہا ہے۔ قبلائی خان نے بھی تمام مذاہب کی

کتب کا ترجمہ کروا کر ایک مرکبی فارمولا تیار کرنے کی کوشش کی تھی۔
عرب میں عمر بن العزیز' منصور' ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور میں الہامی کتابوں کے تراجم ہوئے۔ سلطان محمود' منصور' فالکنی' البیرونی (سکالر) خالد خانی اور زین العابدین (جو فیروز تغلق کے دربار سے منسلک تھا)۔ الہامی کتابوں کے ترجمہ کے لئے مشہور ہیں۔

منصور کے زمانہ میں یونانی کتب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا لیکن مامون الرشید اور اس کے جانشین کے عہد میں یہ کام وسیع پیمانے میں ہوا اور ان کتابوں کی شرحیں اور تفسیریں لکھی گئیں۔ منصور اور ہارون کے عہد میں ہندوستانی سنسکرت کتب کے تراجم ہوئے۔ پنچ تنتر کا ترجمہ ابن المقفع نے کیا۔ برہم گپت کی سدھانت کا ترجمہ فرازی نے ہندی علماء کی مدد سے کیا۔ یعقوب اذاسی نے یونان مذہبی کتب کا ترجمہ کیا۔ اموی شہزادہ خالد ابن یزید کے حکم پر کیمیا کی یونانی کتب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔ مترجمین میں سب سے زیادہ کام ابوزید حنین ابن اسحاق' اس کے بیٹے اسحاق ابن حنین اور اس کے بھتیجے ابن الحسن نے کیا۔ دسویں صدی میں ابوبشر متے' ابن یونس القنائی' ابوزکریا یحیٰ' ابن عدی المنطقی' ابوعلی ابن اسحاق ابن زرعہ' ابوالخیرالحسن' ابن العمار شاگرد یحیٰ ابن عدی نے تراجم میں مرکزی کردار ادا کیا۔ محمود غزنوی نے بھی سنسکرت سیکھی اور ہندوستان کے مذاہب سے ادب' جغرافیہ' ہیت' جوتش' رسم و رواج اور قوانین پر تحقیقات کیں ہندوستان کے برہمن اسے ساگر کہتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں ہندوستانی اسلامی سلطنت کے لئے فقہ کی کتاب فتاویٰ تاتار خانیہ مرتب کی گئی جو بخارا کے حنفی فقہ کا عکس تھی۔ سلطان سکندر خان لودھی کے زمانہ میں حکیم بھوخان اکبر آبادی نے فارسی زبان میں سنسکرت کی مشہور کتابوں سسرت' جوگ مارس' چکردت' کیتت' سارنگ' مادھو بدران' چتامن' بنک سین' ماکھت' بھوج' بھید کی مدد سے معدن الشفاء کے نام

سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ مذہبی کتابوں کے ترجمہ کا آغاز کتاب کے ٹائیٹل کے حوالہ سے ہی کیا جاتا تھا یہاں تک کہ اکبر کے زمانہ میں بھگت گیتا (Bhagahat Gita) کے ترجمے کا آغاز بھی Om sachchidannad سے کیا گیا۔ پھر عیسائی درباراکبری میں 28 فروری 1578 میں آئے اور انجیل کے ترجمہ کا حکم مارچ 1578 میں دیا گیا۔ لہٰذا یہ ناقابل تسلیم بات ہے کہ عیسائیوں نے اکبر کو صرف چار ہفتوں میں عیسائیت مذہب اختیار کرنے کے لئے قائل کر لیا ہو۔

1578-79ء میں مشہور زمانہ ماحضر تیار ہوئی لیکن اس کا باقاعدہ اجراء 1580-81ء میں ہوا۔

1579 - 80ء میں حاجی ابراہیم نے ایک فتویٰ کے ذریعہ داڑھی منڈوانا جائز قرار دیا۔ اس معاملہ پر بڑی بحث ہوئی اور حاجی ابراہیم کی جانب سے جہاں ناقابل قبول روایات کا حوالہ دیا گیا۔ وہاں اسے ایک سوشل روائت قرار دیا گیا۔ حضرت شیخ مان پانی پتی کے بھتیجے نے ایک حدیث دکھائی جس میں منقول تھا کہ آنحضرت کی خدمت میں ایک اصحابی تشریف لائے۔ ان کا بیٹا ان کے ساتھ تھا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آنحضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہوگی۔ بحث میں اس بات کو با وزن قرار دیا گیاکہ اگر داڑھی منڈوانے سے کوئی شخص اسلام سے خارج ہوتا ہے تو دنیا کی آدھی سے زیادہ مسلمان آبادی اسلام سے خارج ہو جائے گی۔

1580- 81ء میں ماحضر پر عمل درآمد شروع ہوا اور اکبر اعظم نے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ اے سمتھ' بدایونی کے حوالہ سے مرزا جانی آف ٹھٹھہ کے خط کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ماحضر دراصل دین الٰہی کا پرچار تھا۔

یہ دور سیاسی طور پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں اسلامی دنیا

میں بڑی افراتفری تھی۔ ایران میں شاہ طہماسپ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جبکہ مصر میں Vazier Sokoli تہ تیغ ہو چکا تھا۔ بنگال' بہار اور پنجاب میں بغاوت ہو چکی تھی اور اس بغاوت میں اکبراعظم کا اپنا قابل اعتماد آفیسر شاہ منصور ملوث پایا گیا تھا۔ لہٰذا اکبر نے ماحضر کے ذریعہ اعتماد اور وفاداری کا باقاعدہ حلف مانگا اور اس حلف میں اس نے جائیداد' جان' مال' عزت اور مذہب کی قربانی مانگی۔ تاریخ دانوں کا اس سلسلہ میں بڑا زبردست اختلاف موجود ہے۔ کوئی اس ماحفر کو مذہبی رنگ میں پیش کرتا ہے تو دوسرا اسے سیاسی نقطہ نظر قرار دیتا ہے ماحفر 25 فروری 1581ء کو لاگو کی گئی جبکہ دین الٰہی فروری 1582 میں رائج کیا گیا بدایونی نے منتخب التواریخ 93-1592ء میں تحریر کی اور اسی سال دین الٰہی کے پیروکاروں کو مرتد قرار دیتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا اگر بدایونی منتخب التواریخ جو بہت بعد میں تحریر کی گئی تھی ان واقعات کو کھول کر بیان کرتا تو اس میں کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہوتا۔

اسی سال ماحفر کے اجرا کے باعث ناراض شیعہ امرا جنھوں نے مرزا حاکم کی بغاوت میں اکبر کے خلاف حصہ لیا تھا کو خوش کرنے کے لئے فارسی تہوار نو روز جلالی بڑی شان و شوکت سے منایا گیا۔

جشن نو روز ایک قدیم ایرانی تہوار تھا۔ جو موسم بہار کی آمد پر سات یوم تک منایا جاتا تھا۔ نو روز کے جشن کا اعلان شاہی نوبت خانے میں نقارے بجا کر کیا جاتا۔ اس موقعہ پر شاہی عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا اور عمارتوں پر مختلف رنگ کئے جاتے تھے۔ سپاہی رنگ برنگ وردیوں میں جلوس کی شکل میں شاہراؤں اور گلیوں سے گزرتے تھے۔ ہاتھیوں کو خاص طور پر سجایا جاتا۔ ہر روز کھیل تماشے ہوتے اور بادشاہ سونے کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا۔ ایک دن عوام کے لئے مخصوص ہوتا اور انہیں دربار میں آنے کی اجازت ہوتی۔ ہر دن ایک امیر پرتکلف دعوت کرتا اور بادشاہ کو

بلا کر قیمتی تحفے پیش کرتا۔ مینا بازار منعقد ہوتے۔ اس بازار میں تمام دوکاندار اور خریدار اعلیٰ خاندانوں کی عورتیں ہوتی تھیں اور کسی مرد کو اس بازار میں جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ مغل دربار میں عیدالفطر، عیدالضحیٰ، جشن میلادالنبی اور شب معراج وغیرہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے اظہار کے طور پر منائے جاتے تھے۔ جبکہ نو روز، جشن صحت و فتح و تولد ہندو اور مسلمان باہم مناتے تھے۔ ہولی، دیوالی اور دسہرہ کی حیثیت مذہبی سے زیادہ ثقافتی ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود متعصب علماء کی نظر میں نوروز وحشی ایرانیوں کا تہوار تھا اور وہ کہتے تھے کہ اکبر کو کوئی نئی روائت اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود یہ تہوار اہتمام کے ساتھ منایا جاتا رہا۔

82- 1581 میں علماء کی جانب سے بغاوت کی گئی۔ بدایونی اور سمتھ کہتے ہیں کہ یہ بغاوت اسلام کے خلاف بنائے گئے قواعد و ضوابط کے باعث ہوئی۔

83- 1582 کا سال اکبر کی زندگی کا اہم ترین سال ہے۔ بدایونی کہتا ہے کہ اکبر نے اس سال ڈیڑھ درجن سے زائد قوانین نافذ کئے اور ان میں بیشتر اسلام کے منافی تھے۔ اس سال مسلمانوں کے ہجری سال کی بجائے ایک ہزار سالہ فلکیاتی جنتری جاری کی گئی جس میں قمری اعدادو شمار میں تبدیلی لانے کی کوشش کی گئی ایک ہزار سالہ تاریخ کا آغاز ہجرت کی بجائے رسول پاک کی پیدائش سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا۔

ترک اور مغل خاندانوں میں شراب نوشی ان کے خون میں شامل تھی۔ شراب نوشی کو طرہ امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ تیمور بلا کی شراب نوشی کرتا تھا۔ اس کے حرم میں موجود خواتین شراب پیتی تھیں۔ ابومرزا شراب کی بوتل ہاتھ میں رکھتا تھا۔ بابر شراب کی مقابلہ آرائی کے لئے مشہور تھا۔ جہانگیر کے بقول اکبر شراب کی محفلوں کو آرٹ کا درجہ دیتا تھا۔ شیراز کی

شراب کو فوقیت حاصل تھی۔ بڑی بڑی شخصیات شراب نوشی میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ اکبر نے اس سال شراب کی فروخت کی اجازت دی۔ جس کے لئے حکیم کی اجازت ضروری تھی۔ شراب حاصل کرنے والے ہر شخص کا نام اور پتہ آبکاری کی دوکان پر موجود رجسٹر میں لکھا جاتا تھا۔ شراب پی کر بدمستی کرنے والے کو کڑی سزا دی جاتی تھی۔ لشکر خان کو بدمستی کرنے پر گھوڑے کی دم سے باندھا گیا اور لشکر میں تشہیر کی گئی۔ خواجہ خاتون داروغہ کو بھی بد مستی کرنے پر سزا دی گئی۔ بدایونی کہتا ہے کہ اکبر کو ایک مسلمان حکمران ہونے کے باعث شراب کی فروخت کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔

شراب کے ساتھ ساتھ اکبر نے طوائفوں کے لئے قانون جاری کیا اور انہیں شہر کے باہر ایک جگہ آباد کرکے اس جگہ کا نام شیطان پورہ رکھا۔ ہندوستان میں عہد وسطیٰ میں طوائف' ادب' شاعری اور موسیقی میں نہ صرف مہارت رکھتی تھی بلکہ وہ ادیبوں' شاعروں اور فنکاروں کی سرپرستی بھی کرتی تھی۔ ان طوائفوں کو حکمرانوں کی سرپرستی حاصل رہتی اور وہ مالی طور پر بڑی مستحکم ہوتی تھیں۔ حکمران اور امرا اپنے دربار میں طوائفوں کو رکھا کرتے تھے۔ ہندو مذہب میں شودر ذات کی عورتیں طوائف ہوتی تھیں اور وہ اس پیشہ کو دھرم سمجھتی تھیں۔ ان کے ہاں لڑکی پیدا ہونے پر اس کی پرورش اور تربیت پر بڑا دھیان دیا جاتا تھا اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا کہ 5 سال کی عمر کے بعد وہ اپنے باپ کو نہ دیکھنے پائے۔ مردوں کے دل لبھانے' رقص' موسیقی' گانے اور مصوری کے علاوہ لکھنے پڑھنے اور بولنے کے فن پر انہیں دسترس حاصل ہوتی تھی۔ ہندوستان میں طوائفوں کی اعلیٰ قسم گانیا کہلاتی تھی جو خوبصورت ہونے کے علاوہ 64 فنون کی ماہر ہوتی تھیں۔ حکمران طبقہ طوائف کی اسی قسم کو پسند کرتا تھا۔ مندروں میں دیوداسیاں ہوتی تھیں جو دیوتاؤں کی طوائفیں کہلاتی

تھیں اس کے علاوہ عام طوائفیں ہوتی تھیں جن سے جنسی تعلقات رکھے جا سکتے تھےاکبر کے زمانہ میں دارالخلافہ کے امراء اور عیاش لوگ طوائفوں میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ لہٰذا قانون نافذ کیا گیا کہ رقص کرنے والی لڑکیاں گھروں میں چند شرائط کے ساتھ جا سکتی ہیں لیکن دوسری قسم کی طوائفیں قطعاً" گھروں میں داخل نہ ہوں۔ ایک رجسٹر میں عیاش لوگوں کے نام اور پتے درج کئے جاتے تھے۔ اس قانون سازی پر اکبر پر الزام لگایا گیا کہ اس نے زناکاری کو باضابطہ بنا دیا ہے۔ اس ضابطہ کی اہمیت کا اندازہ دور حاضر میں اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مملکت پاکستان میں بازار حسن کو قانونی طور پر بند کیا گیا جس سے فحاشی عام ہوئی اور وہ کام جو ایک مخصوص علاقہ میں مخصوص لوگ کرتے تھے برسرعام ہورہا ہے۔

16 ویں صدی میں کتوں کی دوڑ ایک فیشن تھی۔ بڑے بڑے لوگ کتے پالتے تھے۔ شکار کھیلنا تیموری خاندان کی روائت تھی اور وہ شکاری کتے رکھتے تھے۔ تیمور شکار کے لئے شکرا رکھا کرتا تھا۔ تفریحی سفر میں اس کے ساتھیوں کے پاس کتے ہوتے تھے۔ مغل بادشاہ اکثر سیرو تفریح کی غرض سے محل سے باہر چلے جاتے تھے۔ بیرونی تفریح میں سب سے زیادہ اہمیت شکار کی ہوا کرتی تھی۔ اکبر شکار کا بڑا شوقین تھا۔ وہ شکار کی غرض سے اس قدر باہر رہتا تھا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اسے انتظام سلطنت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ابوالفضل کہتا ہے کہ اکبر کا شکار پر جانا دراصل اعلیٰ مقصد کی تکمیل تھا۔ اکبر نے شکار کی مہمات کے ذریعہ بہت سے اہم مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل کیا۔ جب اس نے بیرم خان کے اثر سے آزاد ہونا چاہا تو وہ شکار کا بہانہ بنا کر آگرہ سے باہر چلا گیا۔ جب اسے ازبک خان کی بغاوت کا علم ہوا تو بھی وہ شکار کا بہانہ بنا کر سیدھا مالوہ پہنچ گیا اور جب سکندر سور قلعہ بند ہوا تو اس نے ہوشیارپور میں شکار کھیلا اسیطرح اکبر نے گجرات کی فتح سے پہلے بھی شکار کھیلا تھا۔

بڑے پیمانے پر جس شکار کا انتظام کیا جاتا تھا وہ قمر گاہ یا قمر غہ کہلاتا تھا۔ ایک مرتبہ اکبر نے لاہور میں قمر گاہ شکار کا حکم دیا۔ اس موقع پر 50 ہزار افراد بھرتی کئے گئے۔ جانوروں کے جمع کرنے کے لئے ایک وسیع میدان چنا گیا اور ایک مہینہ تک جانوروں اور پرندوں کو اس جگہ ہنکار کر لایا جاتا رہا۔ یہ مغل تاریخ کا سب سے بڑا شکار تھا۔ اکبر نے تیموری روایات کے خلاف اس سال شکار پر پابندی عائد کی اور کتوں اور جنگلی سوروں کے لئے حفاظتی قوانین نافذ کئے۔بدایونی کہتا ہے کہ ان قوانین کے ذریعہ ہندوؤں سے اظہار محبت کیا گیا تھا۔ کیونکہ ہندوؤں نے اسے قائل کر لیا تھا کہ جنگلی سور ان دس چیزوں میں سے ہے جنہیں قدرت نے زمین پر بھیجا ہے۔ لیکن عبادت خانہ میں اکبر ہندوؤں کے اس عقیدہ پر کہ کامل انسان مچھلی اور جنگلی سور کی شکل اختیار کریں گے خوب ہنسا کرتا تھا۔

رامائن میں جنگلی سور کے گوشت کو نفیس اور لذیذ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ ترک شیر کے گوشت کو حلال مانتے تھے۔ چتوڑ کے محاذ پر 69- 1568 میں چونکہ فوج میں بنیادی طور پر ترک اور راجپوت شامل تھے۔ لہٰذا راجپوتوں کے لئے سور کا گوشت اور ترکوں کے لئے شیر کے گوشت کی اجازت دی گئی۔ بدایونی کہتا ہے کہ "83 - 1582 میں جنگلی سور اور شیر کے گوشت کو حلال قرار دیا گیا" حالانکہ یہ اجازت بہت پہلے دی جا چکی تھی۔

ریشمی کپڑا اور سونا پہننے کی اجازت دی گئی۔ قرآن مجید میں سورۃ الحج (23) میں ارشاد ربانی ہے "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو' جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں انہیں سونے کے کڑے اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔" ایک حدیث میں منقول ہے کہ جنت میں جو چیزیں مومنوں

کو ملیں گی وہ دنیا میں ان کے لئے پہننا حرام ہیں۔ حنفی فقہا کے نزدیک ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے لیکن اس سے بستر' تکیہ اور فرش وغیرہ بنائے جاسکتے ہیں۔ عورتوں کے لئے زیورات کا جواز اور مردوں کے لئے عدم جواز کا استدلال قرآن پاک کی سورۃ الزخرف (43-18) سے لیا گیا ہے جس میں ارشاد ربانی ہے۔ "کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور وہ جھگڑے میں کھول کر بات نہ کرے۔" حضرت موسیٰ اشعری کی روائت کردہ حدیث میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میری امت کے مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال حرام ہے لیکن عورتوں کے لئے جائز ہے۔ لیکن دیگر متعدد احادیث میں سونے کے زیورات پہننا عورتوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔مسلمانوں میں خالد بن ولید' امیر معاویہ' ہارون رشید اور کئی دوسرے خلفاء ریشمی کپڑا پہنتے تھے اور اکبر کے دور حکومت میں صدر الصدور خود بھی ریشمی کپڑے پہنتا تھا۔

اکبر اعظم نے اسی سال 16 سال سے کم عمر لڑکے اور 14 سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی پر پابندی عائد کی اور حکم دیا کہ نزدیکی رشتہ داروں میں شادی نہ کریں۔ آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر چھوٹی عمر کے دولہا اور دولہن کو اس لئے پسند نہیں کرتا تھا کہ اس میں فائدہ کی نسبت نقصانات زیادہ تھے۔ مزاج کے اختلاف کے باعث گھر نہیں بستے تھے اور ہندوستان میں ایک دفعہ بیاہی ہوئی عورت دوبارہ شادی نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا بلوغت کے بعد شادی کا حکم دیا گیا جسے علماء نے ہدف تنقید بنایا۔

ہندوستان کے مسلمان مرنے پر دعوت دیتے تھے جس کا اسلام میں ذکر موجود نہیں ہے اکبر کہتا تھا کہ اس میں عقلمندی کا پہلو موجود نہیں ہے۔ لہٰذا دعوت پیدائش پر کی جائے کیونکہ رسول پاکؐ کی پیدائش پر بھی جشن عید میلادالنبی منایا جاتا ہے اور ایک حدیث کے مطابق لڑکے کی پیدائش کی

صورت میں دو اور لڑکی کی پیدائش پر ایک بکرے کی قربانی کا حکم موجود ہے۔ لہٰذا مرنے پر ضیافت یا دعوت کی حوصلہ شکنی اور پیدائش میں دعوت کی حوصلہ افزائی کی گئی جس پر بھی علماء کی جانب سے تنقید ہوئی۔

بنگال پنجاب اور بہار کی بغاوت کے دوران اور بعد میں گورنمنٹ کی اجازت کے بعد مساجد تعمیر کی گئی تھیں ان مساجد میں نمازیں پڑھنا اور اذانیں دینا روک دیا گیا اور حج گرانٹ میں وسیع پیمانے پر ہونے والے خرد برد کے انکشاف پر کچھ عرصہ کے لئے حج پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ بدایونی کہتا ہے کہ 83-1582 میں حج اور جمعہ کی نمازیں روک دی گئیں۔ حالانکہ صدر الصدور سید امیر فتح اللہ آف شیراز جس کی تقرری 1582 میں ہوئی وہ شیعہ مسلک کی نماز ادا کرتا تھا۔ شیخ عارف حسین بطور موذن ابوالفضل کے گھر جو غلام گردش کے نزدیک تھا پانچ وقت کی نماز ادا کرتا تھا۔ اکبر بذات خود ابوالفضل کی موت اور دین الٰہی کے اجرا کے بہت بعد تک نمازیں ادا کرتا رہا۔ انگریزوں کا مشن جو 1594 میں لاہور آیا اس نے بتایا کہ ان دنوں بہت سے لوگ گجرات کی بندرگاہ سے حج کے لئے جا رہے تھے۔ اور ان میں شاہی خاندان کی عورتیں بھی شامل تھیں جو دین الٰہی کے اجراء کے بہت بعد مکہ گئیں۔

ملک شام اور عرب میں رہنے والی قومیں حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ہیں۔ اس لئے ان کی زبان سامی کہلاتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ دور دراز مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اس لئے ان کا لب و لہجہ بھی مختلف تھا۔ اس طرح سامی زبان کی کئی قسمیں ہو گئیں۔ عرب میں رہنے والوں کی زبان عربی' شام میں رہنے کی والوں کی زبان سریانی' بنی عابر کی زبان عبرانی' ارم کی اولاد کی زبان ارامی بنطی قبیلہ کی زبان بنطی اور کلدانیوں کی زبان کلدانی مشہور ہوئی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی لیکن جب مکہ آئے تو

عربی زبان اختیار کی۔ عربی زبان کو تین طریقوں سے وسعت دی جاتی تھی۔ اگر نئی چیز دیکھی جاتی تو اس کے لئے نیا لفظ وضع کیا جاتا۔ دوسرا اس کی ہم جنس اور متشابہ چیزوں کے لئے جو لفظ مستعمل ہوتا تھا مجازاً" اختیار کر لیا جاتا تھا اور تیسرا یہ کہ دوسری زبان کے الفاظ کو معرب بنا لیا جاتا تھا۔ ان طریقوں سے عربی زبان نہائت وسیع ہو گئی۔ عبادت خانہ میں بحث و مباحثہ کے دوران عربی زبان کے حوالہ سے مختلف تشریحات سامنے لائی گئیں۔ عربی زبان میں جہاں باریک سے باریک فرق ظاہر کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وہاں اس میں مترادف الفاظ بھی کثرت سے موجود ہیں۔ عربی جیسی فصیح پر معنی اور مشکل زبان نے شامیوں اور ایرانیوں کی تعلیمی زبان بن کر نئے مسائل پیدا کئے۔ اول تو قرآن کے مطالعے' تجوید و تفسیر کے لئے زبان پر عبور ضروری تھا دوئم اعداد' خطوط' نقاط سے عقائد میں خلل پڑنے کا احتمام ہر وقت موجود رہتا تھا۔ بنگال اور بہار میں بغاوت کے دوران عوام الناس کو عربی زبان کی تشریحات کی بنا پر اکسایا گیا۔لہٰذا اکبر نے عربی زبان کی بجائے فارسی زبان کو ترجیح دیتے ہوئے عام آدمی کو موقعہ فراہم کیا کہ وہ فلسفہ' فلکیات' طب ، علم ہیت ، ادب اور دوسرے علوم سیکھیں۔ اس وقت فاری زبان کو عروج حاصل تھا۔ ابوالفضل کہتا ہے کہ اس وقت دربار میں صرف ایرانی شاعر 150 کی تعداد میں موجود تھے لہٰذا حروف تہجی میں عربی الفاظ نکال دیئے گئے۔ فیضی نے قرآن پاک کی تشریح ایسے رسم الخط میں لکھی جس پر کوئی نقطہ نہیں تھا۔

بنگال اور بہار کی بغاوت کے دوران شرارتی لوگوں نے اکبر اعظم کو بدنام کرنے کے لئے اغلاط پر مبنی قرآن پاک چھاپ کر تقسیم کئے۔ اکبر اعظم کو جب اس سازش کا علم ہوا تو اس نے وہ قرآن حاصل کر کے جلا دیئے۔ بدایونی بغاوت کا ذکر کیے بغیر کہتا ہے کہ اس سال قرآن جلائے گئے۔ عیسائی پیشواؤں کا کہنا ہے کہ قرآن پاک 1578 اور 1584 میں جلائے

گئے۔ اور یہی عرصہ بغاوت کا ہے۔ اور یہ قدم بغاوت کے دوران اٹھایا گیا تھا۔

اسلامی تعلیمات کی روح سے جب بھی پیغمبر کا نام آتا ہے۔ تو سننے والوں کے لئے درود بھیجنا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ عام بول چال میں جب یہ نام زبان پر آتا ہے تو درود و سلام نہیں پڑھا جاتا۔ اکبر نے صوفی ازم کے تحت کمزور اور بے عصمت ناموں کے ساتھ مقدس نام کی شمولیت کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے احمد، محمد اور مصطفیٰ کے نام دربار میں لینے کی ممانعت کر دی حالانکہ اکبر کا اپنا نام جلال الدین محمد اکبر تھا اور دربار میں موجود بہت سے لوگوں کانام محمد تھا۔ بدایونی نے بھی اس فعل کو اس وقت درست قرار دیا جب ایک معاملہ میں ایک گنہگار عورت کو فاطمہ کے نام سے پکارا گیا۔

عبادت خانہ میں متنازعہ مسائل پر ہر شخص کی اپنی حتمی رائے اور اس پر انتہائی عصبیت کے باعث 1583 میں چالیس ابدالوں کی اسمبلی معرض وجود میں لائی گئی جن میں چالیس پاکیزہ معتبر اور دانشمند لوگ شامل تھے۔ ان لوگوں کی علمی مجالس میں تحقیقات پر رد و قدح اور عقلی دلائل پیش ہوتے تھے اور تمام مذہبی معاملات ان ہی کے سپرد تھے۔ بادشاہ صرف عقل و حکمت سے متعلقہ مسائل پر گفتگو کرتا تھا۔اس اسمبلی کو بھی اسلام کے منافی قرار دیا گیا۔

84-1583 میں اکبر اعظم نے شیر شاہ کی طرز حکومت کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانیت کی خدمت کے جذبہ کے طور پر ہندوؤں کے لئے علیحدہ غریب خانے تعمیر کروائے۔ بدایونی کہتا ہے کہ یہ سراسر ہندوؤں کی طرفداری تھی۔

اسی سال کچھ کھیل متعارف کروائے گئے جس پر کافی تنقید کی گئی اور اسے جواء قرار دیا گیا۔

85 -1584 میں سیاسی اور سائنسی نقطہ سے "سن الٰہی" متعارف کروایا گیا جس میں مذہبی منطق اور یورپ کی نشاط ثانیہ بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ترک مغل عام طور پر مفتوحین کے رسم و رواج اپناتے تھے۔ چین میں ترکوں نے چینی کے، روس میں روسی، عربیہ میں عربی اور ہندوستان میں ہندوستانی طور طریقے اپنائے اور سماجی رسمیں اختیار کیں۔ لہٰذا 1585ء میں شہزادہ سلیم کی شادی میں زیادہ تر ہندوآنہ رسمیں ادا کی گئیں جنہیں اسلامی نقطہ نظر سے ہدف تنقید بنایا گیا۔

اکبر سورج کو دنیا میں زندگی دینے والی قوت تسلیم کرتا تھا اور خود بھی مشرق کی جانب سر رکھ کر سوتا تھا 86 -1585ء میں اس نے حکم دیا کہ مردے کا سر مشرق کی جانب کر کے دفنایا جائے - اسی سال شیر شاہ کی طرز حکومت کی طرح اس نے برہمنوں کو اجازت دی کہ وہ ہندوؤں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کریں۔ اسی سال خیر مقدمی کلمات کے طور پر اسلام و علیکم کی بجائے اللہ اکبر کے الفاظ استعمال کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ کلمات دین الٰہی کے اجراء کے چار سال بعد متعارف کرائے گئے۔

90 -1586 تک اکبر سندھ میں جنگ کی حالت میں رہا اور قانون سازی نہ کر سکا۔ 91 -1590 میں اس نے ہندوؤں کی ستی کی رسم کی حوصلہ شکنی کی اور مسلمانوں کے لئے 12 سال سے کم عمر کے بچہ کے ختنہ کرنے کی ممانعت کی۔

قدیم یونانیوں میں حیات بعد الممات سے متعلق مختلف نظریات قائم رہے۔ افلاطون کہتا تھا کہ موت جسم کو ہوتی ہے روح کو نہیں اور وہ روح کے بارے میں نظریہ تناسخ کا قائل تھا جبکہ ارسطو نہ تو تناسخ روح کا قائل تھا اور نہ وہ روح کی اذیت اور بقائے شخص کو مانتا تھا۔ سقراط کے مطابق حیات بعدالموت موجود ہے اور روح کو ابدیت حاصل ہے۔ کندی کے خیال میں جب موت کے وقت روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو اللہ

کے نور سے متصل ہو جاتی ہے۔ ارزل اور غلیظ روحیں تطہیر کے عمل سے گزرنے کے لئے فلک قمر، فلک مریخ اور رفتہ رفتہ بلند ترین سیاروں کے فلک میں پہنچ کر تمام افلاک سے پرے اور ابدی کیفیت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ فارابی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت کے بعد صرف عقل فعال رہتی ہے۔ وہ انفرادی سطح پر حیات بعدالموت کا نہ صرف قائل تھا بلکہ اعمال کی ذمہ داری اور جزا و سزا کے عمل کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ ابن مسکویہ روح کو غیر فانی کہتا ہے۔ غزالی حشراجساد کے عقیدہ کو تسلیم کرتے ہوئے حیات بعدالممات کی نوعیت کو زمانی اور مکانی بتاتے ہیں۔ ابن رشد کے خیال میں روح کی انفرادی حیثیت برقرار رہتی ہے اور وہ حشراجساد کے عقیدہ کے قائل نظر آتے ہیں ابن سینا روح اور جسم کی ثنویت کا قائل تھا حضرت شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد روح کو ازسرنو زندگی میسر آتی ہے اور امام رازی معاد جسمانی اور روحانی دونوں کے قائل تھے۔

قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ انسان مرکر دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے۔ وہاں وہ دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ مکان بنانے سے زیادہ مقبروں اور عبادت گاہوں کی تعمیر اور مردوں کو حنوط کرنے پر توجہ دیتے تھے۔ وہ مردوں کے ساتھ کتاب الموتیٰ[1] بھی دفن کرتے۔ بابلیوں کا عقیدہ تھا کہ مرکر لوگ ایک تاریک مقام پر جسے (ارالوں) کہا جاتا ہے چلےجاتے ہیں۔ یہ مقام زمین کے پیٹ میں ایک عقوبت خانہ تصور کیا جاتا تھا۔ یہاں مردوں کے ہاتھ پاؤں ہمیشہ بندھے رہتے تھے۔ اور سردی سے کانپتے رہتے تھے اور اگر مرنے والوں کے بیٹے اور رشتہ دار مہربانی کرکے معین اوقات میں ان کی قبروں پر کھانے پینے کی اشیاء نہ رکھیں تو وہ بھوکے پیاسے رہتے تھے۔ رومی میت کے جنازہ کا احترام کرتے تھے۔ مردے جلائے جاتے اور پھر ان مردوں کو جلانے کے بعد ان کے بچے کھچے حصوں کو ایک قبر

میں سپرد خاک کرتے تھے۔ چنگیز خان کو بھی مرنے کے بعد قبر میں اس کی پسندیدہ خوراک اور ہتھیاروں کے ساتھ دفن کیا گیا اور یوریاں گوت قبیلے کو جو ماورائی قوتوں اور نیلے جاودانی آسمان سے ہمکلام ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ قبر کی حفاظت کے لئے مامور کیا گیا۔ڈاکٹر سمتھ بدایونی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ 93-1592 میں اکبر نے درشنی چیلوں کے لئے عجیب قانون بنایا کہ ان کے فوت ہونے پر کچی خوراک اور پکی اینٹیں باندھ کر دریا میں پھینک دیا جائے اور پھر نعش کو نکال کر خشک جگہ پر جلا دیا جائے۔ لیکن جہاں دریا موجود نہ ہو وہاں کیا کیا جائے اس کی تفصیل نہیں دی گئی تھی۔

93- 1592 میں شادیوں کا ریکارڈ مرتب کرنے کا قانون بنایا گیا۔ جو اس دور میں بھی جاری ہے۔ اس پر بھی اکبر کو موردالزام ٹھہرایا گیا۔

اکبر بنیادی طور پر "صلح کل" کے اصولوں پر گامزن تھا۔ اور رواداری اس کے خون میں شامل تھی۔ قرآن پاک نے بھی رواداری کا درس دیا ہے۔ اور رسول پاک نے بھی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری برتی۔ یورپ کی نشاط ثانیہ اور صوفی ازم میں بھی رواداری کا درس دیا گیا ہے۔ لہٰذا اکبر نے 94- 1593 میں مذہبی آزادی دی اور عیسائیوں کو ہندوستان میں گرجا گھر تعمیر کرنے کی اجازت دی۔ بدایونی کہتا ہے کہ یہ اس کے اسلام سے منحرف ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

دین الہٰی کے اصول، طرز عبادت اور اس کا خاتمہ

دین الہٰی 1582 میں نافذ کیا گیا۔ Bartali کے مطابق اس دین کی اشاعت کے لئے پہلے ہی ایک کونسل موجود تھی اور شیخ مبارک کو اس دین کی پوری مغل سلطنت میں اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ لیکن اس دین کی اشاعت کے لئے شیخ مبارک نے جو اقدامات کئے اس کا حوالہ تواریخ میں موجود نہیں ہے۔

دین الہٰی کے بنیادی اصول بھی واضح نہیں تھے۔ سمتھ کہتا ہے کہ 1587 تک اس دین کے بنیادی اصول سامنے نہیں آئے تھے۔ Von Noer کہتا ہے کہ یہ نظام فری میسن کی طرز کا تھا۔ بدایونی نے صرف ضمنی اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ پرتگالی مشن جو وقتاً فوقتاً ہندوستان آئے ان کا اپنا ایک نقطہ نظر تھا لہٰذا ان کی جانب سے بھی ان بنیادی اصولوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف محسن فانی نے دبستان مذاہب میں ڈائیلاگ کی صورت میں ان بنیادی اصولوں کا تذکرہ کیا ہے جو بیگ خان کے بیٹے شاہ محمد نے دین الہٰی کے ایک ممبر اعظم خان کے حوالہ سے بیان کئے تھے۔ ان بنیادی اصولوں میں رواداری، صلح کل، دنیاوی خواہشات سے اجتناب کرنا، آخرت کی فکر، کام میں لگن، ہوشمندی، نرم گوئی، خوش گفتاری، اچھا مقرر ہونا، اخوت، بھائی چارہ، مخلوق خدا سے محبت اور خدا کی محبت میں وقف ہو جانا شامل تھا۔

Blochman کہتا ہے یہ مذہب تبلیغی نہ تھا۔ Von- Noer کے بقول اس دین کی اشاعت کے لئے واعظ یا مولوی مقرر نہیں کئے گئے تھے۔ اس دین کے پیروکاروں کے لئے کوئی الگ عبادت خانہ نہ تھا اور نہ ہی قرآن پاک کے علاوہ کوئی مذہبی کتاب تھی۔ اسلام سے خدا کی وحدانیت، مجوسیت سے سورج اور روشنی کی پرستش، جین مت سے گوشت خوری سے پرہیز

اور ہندومت سے گئو رکھشا کے اصول اپنائے گئے تھے۔ دراصل اس مذہب کا بنیادی نقطہ بادشاہ کی ذات سے عقیدت اور وفاداری تھا۔ دین الٰہی کے پیروکار کو "چیلہ" کہا جاتا تھا۔ چیلوں کے لئے لازم تھا کہ وہ تلک لگائیں یوم ولادت منائیں اور اتوار کو بادشاہ کی خدمت میں حاضری دیں۔ جھروکہ درشن کے بغیر مسواک کرنا' کھانا اور پینا حرام تصور کیا جاتا تھا۔

دین اکبری میں شامل ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ شخص اخلاص چارگانہ' ترک مال' ترک جان' ترک ناموس اور ترک دین پر پابند رہنے کیلئے اقرار نامہ لکھ کر دے۔ جس کا متن اسطرح تھا۔ "منکہ۔ ابن۔ باشم۔ بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدراں دیدہ و شنیدہ بودم۔ ابرا و تبرا نمودم و در دین الٰہی اکبر شاہی درآمدم و بمراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترک مال و جان و ناموس و دین باشد قبول نمودم"

چیلہ بننے کے لئے ایک خاص امتحان سے گزرنا پڑتا تھا۔ بادشاہ کے راضی ہونے پر پگڑی اتار کر سر جھکا دیا جاتا تھا۔ بادشاہ سر پر ہاتھ پھیر کر پگڑی واپس رکھ دیتا تھا اور ایک تمغہ (Shast) دیتا جس پر اللہ اکبر لکھا ہوتا - بدایونی کے مطابق اس تمغہ پر اکبر کی تصویر کندہ تھی لیکن کئی مورخ اس رنگ نما تمغہ پر "ہو" لکھا بتاتے ہیں۔ قاضی ہمدانی کا بھی یہی خیال ہے کہ اس تمغہ پر "ہو" کا لفظ کندہ تھا۔ چیلوں کو گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور حکم تھا کہ مچھیروں' قصائیوں اور صیادوں سے دوستی نہ رکھیں۔ سر مشرق کی طرف کر کے سوئیں اور کمسن' بوڑھی ' حاملہ اور بانجھ عورتوں کے ساتھ شادی نہ کریں۔ دین الٰہی کے پیروکار جب آپس میں ملتے تو اللہ اکبر اور جل جلالہ' کہہ کر ایک دوسرے کا استقبال کرتے۔ اکبر خود بھی پانچ کی بجائے تین نمازیں پڑھا کرتا تھا۔

دین الٰہی کے پیرو کاروں میں ایک وہ تھے جنہوں نے اس دین کو

مکمل طور پر اپنایا اور دوسرے وہ جو تمغہ کی حد تک محدود رہے۔ بنیادی پیروکاروں میں شیخ مبارک، شیخ فیضی، جعفر بیگ، آصف خان، قاسم کابلی، ابوالفضل، اعظم خان کوکا، عبدالصمد، ملا شاہ محمد شہداد، صوفی احمد، میر شریف آملی، سلطان خواجہ صدر، مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ، شیخ زادہ گوسلا بنارسی، صدر جہاں، اس کے دو بیٹے، بیربل اور شہزادہ سلیم تھے۔ شیخ ابوالفضل خلیفہ اول تھا اور سلطان خواجہ امین میر حاج مریدان خاص میں شامل تھا جس کی قبر اس نئے طریقے سے بنائی گئی تھی کہ صبح کو سورج کی شعاعیں اس کے منہ پر پڑتی تھیں۔ ان تمام لوگوں میں صرف بیربل ہندو تھا۔ ہندوؤں کے اس مذہب میں شامل نہ ہونے سے متعلق دو مختلف رائے ظاہر کی گئی ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ ہندوؤں نے اس مذہب پر کوئی توجہ نہ دی تھی اور کچھ کا خیال ہے کہ اکبر ہندوؤں کو اس مذہب میں شامل نہیں کرتا تھا مان سنگھ کو جب اکبر نے کہا کہ جب تک دو چار باتیں نہ ہوں اخلاص کامل نہیں ہوتا تو اس نے فوراً" جواب دیا کہ" حضور! اگر مریدی سے مراد جان نثاری ہے تو جان ہتھیلی پر ہے امتحان کی ضرورت نہیں اور اگر حضور کی مراد مذہب سے ہے تو میں ہندو ہوں فرمایئے مسلمان ہو جاؤں۔" اکبر ٹال گیا۔بدایونی کہتا ہے کہ" اکبر اس مذہب میں ہندوؤں کو شامل نہیں کرتا تھا۔" یورپین مورخوں نے اس "دین الٰہی" میں شامل چیلوں کی تعداد 473 ہزار بتائی ہے۔

دین الٰہی کا کئی سال تک چرچا رہا۔ پھر بادشاہی سیاست کے خوف سے مخالفوں نے خاموشی اختیار کی اور بحث و مباحثہ کا زور ٹوٹ گیا۔ جدید عقائد و اعمال پر بحث نہ ہونے کے باعث اس کی چکا چوند ماند پڑھ گئی۔ ہندوؤں نے اس نئے مذہب کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور تمام چیلوں میں صرف ایک ہندو بیربر یا بیربل کا نام آتا ہے جو محض بادشاہ کا خوشامدی مسخرا تھا۔

نئے دین کی ایجاد و ابداع کا محرک شیخ مبارک جس نے ماحضر کے ذریعہ اپنے رقیبوں سے سخت انتقام لیا تھا 1001ھ میں انتقال کر گیا۔ اس نے ایک ضخیم کتاب "منبع نفائس العیون" تحریر کی جس میں بقول بدایونی مجددیت کی ضرورت پر تقریر تھی۔ اس کتاب میں شیخ مبارک نے خود کو دسویں صدی کا مجدد قرار دیا تھا۔ پھر 1004ھ میں فیضی دمہ کے سخت دورہ کے باعث یہ آخری رباعی کہتے ہوئے فوت ہو گیا۔

دیدی کہ فلک بہ من چہ نیرنگی کرد
مرغ دلم ازقفس بدآہنگی کرد
آن سینہ کہ عالمی در و می گنجید
تانیم نفس بر اورم تنگی کرد

ترجمہ : (دیکھو فلک نے میرے ساتھ کیا کیا کہ میرا مرغ دل قفس میں بے قرار ہو گیا ہے اور میرا وہ سینہ جس میں ایک عالم سما سکتا تھا اب آدھی سانس بھی تنگی سے لینے دیتا ہے)۔

بادشاہ پرستی ابوالفضل کی کمزوری تھا جب اکبر نے تقلید چھوڑ کر مذہبی آزادی اختیار کی تو ابوالفضل اس کا طریق رفیق بنا۔ دین الہٰی کے عقائد اور قواعد اس نے قلمبند کیئے۔ اور نئے مذہب کا خلیفہ اول قرار پایا۔ 1007ھ میں دکن کی مہمات پر روانہ کیا گیا۔ یہ دور جہانگیر کی سرکشی کا دور تھا۔ ابوالفضل نے اکبر نامے میں جہانگیر کے متعلق ایسے جملے استعمال کیے جو جہانگیر کو بہت ناگوار گزرے لہٰذا جہانگیر نے بندھیل کنڈ کے راج کمار بیر سنگھ دیو کے ذریعہ گوالیار کے قریب 1602ء میں ابوالفضل کو قتل کروا دیا اور اس کی لاش کی الہ آباد میں تذلیل و تشہیر کی گئی۔ اکبر نے آگرہ میں اس سانحہ پر ماتم کرتے ہوئے کہا کہ "بادشاہت لینی تھی تو مجھے قتل کر دیا جاتا۔ ابوالفضل کو ناحق کیوں مارا گیا"۔

جہانگیر لکھتا ہے کہ "ابوالفضل کے خاتمہ کے بعد اکبر کی بداعتقادی کا

خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ پاک عقیدہ مسلمان کی طرح دنیا سے خدا کے حضور میں گیا۔" اس طرح نئے دین کے تین اہم ستون گر جانے کے باعث یہ دین اپنی موت آپ مرگیا۔

سمتھ کہتا ہے کہ "دین الہٰی" اکبر کی فہم و فراست کا ثبوت نہیں تھا بلکہ حماقت کی یاد گار ہے۔ یہ مضحکہ خیز شاہی غرور اور بے لگام مطلق العنانی کا نتیجہ تھا۔ شرما اسے مذہب نہیں بلکہ ایک شاہی حکم قرار دیتا ہے سری وستوا اس دین کو سیاسی مقاصد کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ ڈاکٹر تری پاتھی کہتا ہے کہ یہ ضابطہ مذہب قرآن و حدیث کے منافی تھا۔ لین پول کے بقول اکبر نے دربار میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کا زور توڑنے کے لئے ہنری ہشتم کی طرح مذہبی سربراہ بننے کا فیصلہ کیا عبدالقادر بدایونی کہتا ہے کہ اکبر پیدائشی طور پر سنی مسلمان، شعار دین کا پابند اور علماء کا معتقد تھا۔ مگر عبدالطیف، ملا یزدی، شیخ مبارک، ابوالفضل اور فیضی کے زیر اثر وہ مذہبی آزادی کی طرف راغب ہوا۔

کابل اور غزنی جو تاریخی اعتبار سے ہندوستان کے آخری اضلاع تھے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتح ہو گئے تھے۔ مگر ہندوستان میں اسلام چار سو سال بعد داخل ہوا۔ ہندوستان کی نئی تاریخ تقریباً" 1001 سے شروع ہوتی ہے۔ اس دور میں نئے مسلم آریوں اور پرانے آریوں نے مل کر سندھ اور گنگا جمنا کی وادیوں میں نئی قومیت اور نئے تمدن کی تشکیل کی۔ ہندوستان میں فاتحین کے ساتھ مسلمان آئے اور یہاں کی ایک بڑی آبادی مسلمان ہو گئی لیکن ہندو اکثریت موجود رہی۔ محمود غزنوی نے اپنی فوجوں میں ہندوؤں کو بھرتی کیا اور وسط ایشیاء میں ان کی مدد سے بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ اور سلطنت کے نظم و نسق میں ہندو اہلکاروں سے بہت کچھ سیکھا۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں ہندوستانی اسلامی سلطنت کیلئے باقاعدہ قانون مرتب کیا گیا۔ سکندر لودھی اور شیر شاہ سوری نے ہندوستان

میں اسلامی قومیت کی طرح ڈالی اور اکبر نے اسے پروان چڑھایا۔ یہ مغل حکمران فتح اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے بہت طاقتور بن گیا تھا۔ اس لئے وہ ہندوستان میں خود کو خلیفہ سمجھتا تھا وہ نہ تو عثمانیوں کی خلافت کے حق کو تسلیم کرتا تھا اور نہ ہی اپنے باپ ہمایوں کی تقلید میں ایران کی شیعہ بادشاہوں کی سرداری - ہندوستان میں مختلف قومیں اور مختلف مذاہب تھے۔ ملک وسیع اور قوموں کی آبادی اس قدر زیادہ تھی کہ نہ ایک قوم دوسری قوم کو اپنے اندر سما سکتی تھی اور نہ ہی اسے فنا کرنا ممکن تھا۔ چنانچہ اس نے ہندوستان میں ایک مستقل صاحب اقتدار اور خالص ہندوستانی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ہندو مذہب اور اہل اسلام میں یک جہتی اور ذہنی موافقت پیدا کرنے کے لئے ایک ایسی دعوت فکر دی جس میں الگ الگ تمدن رکھنے والی قومیں اور مختلف مذاہب سما سکیں۔ اس نے اسلامی تصوف کا نظریہ وحدت الوجود نافذ کرنے کی کوشش کی اور سب مذاہب کی اصل کو ایک جانتے ہوئے ہر قوم کو اجازت دی کہ وہ اپنی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں لیکن مذہب کی صحیح روح سے منحرف نہ ہوں۔

عثمانی ترک سنی العقیدہ تھے جبکہ ایران کا حکومتی مذہب شیعہ تھا۔ چنانچہ ترکی اور ایران کی جنگ مسلک کی جنگ بن گئی۔ اور مسلمانوں کے ان دونوں فرقوں میں اس قدر منافرت پیدا ہوئی کہ سلیم عثمانی نے ہزاروں لوگوں کو اس لئے قتل کروا دیا کہ وہ شیعہ تھے اور سنی حکومت ان پر اعتبار نہ کر سکتی تھے اسی طرح ایران میں صفوی فرمانرواؤں نے سنی لوگوں کو تہ تیغ کر دیا اور ایرانی سر زمین کو سینوں سے پاک کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ یورپ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مشرق وسطیٰ اور ہندوستان میں شیعہ اور سینوں کے جھگڑے کے علاوہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا جھگڑا بھی موجود تھا۔ یورپ والوں نے اس مذہبی تنازعہ کو حل کرنے کے لئے حکومت سے مذہب کو الگ کر دیا جبکہ اکبر اعظم نے

اپنی سیاست کی بنیاد مذہب پر رکھنے کی کوشش کی اور مذہب سے انکار نہیں کیا۔

اکبر کی ہندوستانی سلطنت کے بنیادی اصول وہ اخلاقی اصول تھے جو سب مذاہب میں موجود ہیں۔ لیکن ہندوستان کے سیاسی حالات کے تحت حکمران طبقوں نے اسے ناپسند کیا خصوصاً مسلمان طبقوں نے محسوس کیا کہ اکبری مسلک سے اسلام کی برتری کو صدمہ پہنچے گا۔ اور ان کی سیادت خطرے میں پڑ جائے گی۔ دین الٰہی کی فکر کا داعی چونکہ بادشاہ خود تھا اس لئے منفعت طلبوں نے محض دکھاوے کے طور پر ہاں میں ہاں ملائی۔ "دین الٰہی" کے بانیوں نے اس فکر سے متعلق ضابطے کی ضرورت اور حیثیت کو نہ سمجھا جس کے بغیر جماعتی زندگی بیکار رہتی ہے۔ "دین الٰہی" کے بانیوں نے شرع و منہاج کی اہمیت کو بھی نہ جانا اور اس سے ذہنی انتشار پھیلا۔ اور اس اضطراب فکری نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس طرف مائل نہ ہونے دیا۔ رد عمل میں ایک فعال تحریک پیدا ہوئی اور اکبری فکر کے خلاف بغاوت ہوئی عالمگیر کے زمانہ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے مسلک کو حکومت کا اصول تسلیم کر لیا گیا بالکل اسی طرح جیسے خلیفہ متوکل کے دورِ حکومت میں مامون الرشید کے فکر اعتزال کے خلاف حضرت امام احمد بن حنبل کے مسلک کو غلبہ نصیب ہوا تھا۔